مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

النبی الخاتم

صلی اللہ علیہ وسلم

نوشتہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ناشر

ایس۔ ایم میر

اسلامی کتبخانہ ۔ ۲۳ بی چارٹرڈ بنک چیمبرز

وڈاسٹریٹ کراچی نمبر ۲

(چوتھا ایڈیشن سنہ ۱۹۵۰ء)

قیمت مجلد عہ/

فقر و شاهی وارداتِ مصطفیٰ است
این تجلّی‌هائے ذاتِ مصطفیٰ است
(اقبال)
۲

فہرست مضامین

نمبر سلسلہ	مضامین	صفحات
۱	دیباچہ	۷

مکّی زندگی

مدنی زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگرچہ اس کتاب کا کیا، بلکہ مختصر سے "رسالہ" یا "مقالہ" کا تعلق "سیرت طیبہ" علیٰ صاحبہا الف سلام وتحیۃ سے ہے، لیکن ارادۃً اس میں "سیرت" کے واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، بلکہ بجائے "واقعات" کے صرف "نتائج" سے بحث ایک خاص نقطۂ نظر کو پیش رکھ کر کی گئی ہے۔ ایسے حضرات جو سیرت کی کتابیں پڑھ چکے ہیں، یا کسی ذریعہ سے ان کے مضامین سے واقف ہیں اور بحمد اللہ مسلمانوں میں ایسوں کی کمی نہیں، ان کے لئے تو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر خدانخواستہ کسی کو اگر اس کا موقع میسر نہ آیا ہو، تو اردو زبان میں اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ خصوصاً پچھلے چند سالوں میں قاضی سلیمان مرحوم منصورپوری نے "رحمۃ للعلمین"، چودھری نواب علی صاحب نے "تذکرۃ المصطفٰے"، "سیرۃ الرسول"۔ ڈاکٹر عبدالحکیم مرحوم نے "النبی والاسلام" اور آخر میں علامہ شبلی مرحوم اور ان کے جانشین برحق مولانا سید سلیمان ندوی نے "سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم" کے ذریعہ سے اردو زبان کو "مضامین سیرت طیبہ" سے مالا مال کر دیا ہے۔ تا اینکہ دوسری اسلامی زبانوں کو بھی اردو کی اس جامع، شگفتہ اور مستند کتاب کا ترجمہ کرنا پڑا۔

اس سلسلہ میں صاحب "ایمان" قریشی صاحب کی کوششوں کو بھی ایک امتیاز حاصل ہے۔ اور یہ "مقالہ" بھی ان ہی کی فرمائش سے لکھا گیا، ان ہی بزرگوں کی محنتوں کا

نتیجہ یہ ہے کہ آج اُردو زبان میں سب سے زیادہ آسان تصنیف گویا سیرۃ نبوّیہ کی تدوین ہے۔ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گذرتا ہو جس میں اس موضوع پر بلند اور معمولی معیار پر ہر طرح کے رسائل اور کتابیں شائع نہ ہوتی ہوں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان مخلصوں کی پاک نیت نے ملک کے مذاق پر کافی اور گہرا اثر پیدا کیا ہے۔

بہر حال میری غرض فقط اس قدر ہے کہ بجائے واقعات کے صرف "نتائج" پر مطلع ہونے کے لئے یہ رسالہ ——— جو چوتھی بار شائع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور شاید نامسلمانوں کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

سیّد مناظر احسن گیلانی

(کتبہ محمد احمد اشرفی)

نئی زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین
و
سلامٌ علی المرسلین

یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے، (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا۔ ہر ایک، اور صرف ایک جو گیا اور آنے ہی کے لئے آیا، وہی جو آ گئے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا، اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا ہی چاہئے کہ جنھیں کتاب دی گئی، اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے، جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا، جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے، اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا۔ کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔

ورنہ جنھوں نے ناموں کو کھویا، کیا وہ اپنے ہادیوں کے کاموں کی نگہبانی کرتے
تھے، ہمارے ملک میں وید کی صورت میں اوتاروں کا کام پیش کیا جاتا ہے، لیکن
لاپرواؤ! تم سے جب ان کے ناموں کا بھی بوجھ نہ اٹھایا گیا تو ہمیں کیا دکھاتے ہو
کہ یہ ہے ان کے کاموں کا پشتارہ۔

تاریخ کے تحقیقی ہاتھوں نے ہندوستان کے راہنماؤں اور ان کی امتوں
کے درمیان جو اندھیری کھائیاں کھودی ہیں اور مسلسل کھودتی چلی جا رہی ہیں کیا
اب آدمی کے بس میں ہے کہ ان کو پلٹے؟

کس پر اتری؟ کہاں اتری؟ کن کن زبانوں میں اتری؟ نظم میں اتری؟
کہ نثر میں اتری؟ صدیوں میں اتری؟ جگوں میں اتری؟ جب ان تمام
بنیادی سوالات پر ایسے سوالات پر جن کی تحقیق کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے
کا فیصلہ اٹکا ہوا ہے، تم خود جانتے ہو کہ ان پر اندھیرا اور گھپ اندھیرا چھایا ہوا
ہے، بتاؤ! کہ شک کے ان دلدلوں میں یقین کا قدم کس طرح اٹھایا جائے؟[۱]

تم ان سے اوجھل ہو، وہ تم سے اوجھل ہیں، پھر کس راہ سے تم ان کو
پاؤ گے، جن کو تاک کر تم چلنا چاہتے ہو! اور کس طرح وہ اپنے تئیں تمہیں دکھائیں
جو اپنے کو دکھا کر تمہیں چلانا چاہتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ بدھ اور بدھ مت والوں نے تم کو ان سے توڑا ہو، حالانکہ سچ یہ ہے
کہ بدھ سے بہت پہلے بھارت ورش اور اس کے اپنے اوتاروں سے ٹوٹ چکے تھے، لیکن اپنی
غلطی کا الزام دوسروں پر ڈھانے کے لئے اس کی تہمت بدھ ہی کے ذمہ جوڑ دی جائے مگر

۱؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا عنوان سنسکرت وید۔

سوال یہ ہے کہ جن کو بدھوں نے اپنے بزرگوں سے توڑا کیا ٹھیک اسی کے توڑ پر انہوں نے برھسٹوں کو بدھ کے قدموں پر چھوڑا ؟

اور آج اگر ویدک دھرم کے حقیقی سرچشموں کا دنیا کو سراغ نہیں ملتا تو کیا جیسا اسی طرح یقین کے ساتھ کوئی مہاتما بدھ کے اصلی نوشتوں اور واقعی تعلیموں کا کہیں نشان دے سکتا ہے؟ ویدک دھرم اگر بالمیک کے قصوں اور مہابھارت کے افسانوں پر قائم ہے تو اوہام کے جس مجموعہ کا آج بدھ مت نام ہے، کیا تحقیق کی نگاہ میں اس کی قیمت بھی اختراعی کہانیوں سے زیادہ ہے؟ آج کس مورخ کے ذخیرہ میں ایسا تیل ہے جس کے چراغ کی روشنی میں کپل وستو[1] کا منی اسی شان میں نظر آئے جیسا کہ واقع میں تھا۔

اور آریہ دھرم کی ہندی شاخ کی بربادی کا الزام تو بدھوں یا جینیوں کے سر تھوپا جاتا ہے لیکن ایران کی سرزمین میں وہ آگ کس نے سلگائی جس میں زرتشت اور اس کے سارے کارنامے ہمیشہ کے لئے جل کر بھسم ہوگئے، آج جب بیچارے زرتشت کے وجود میں بھی شک پیدا کیا جاتا ہے، اور مورخین کی اکثریت کو اس کے وجود کو فرضی اور وہمی ثابت کرنے پر اصرار ہے[2] تو انصاف کرو کہ اس کے لائے ہوئے دین کا اب کون اقرار کرسکتا ہے،

---

[1] کپل وستو دامن ہمالیہ کے اس شہر کا نام تھا جہاں بدھ پیدا ہوا تھا، اور اس کے باپ کا یہی شہر پایۂ تخت بھی تھا۔ قرآن مجید میں انبیاء صالحین کے ذکر میں ایک نام ذوالکفل بھی آیا ہے مفسرین کا خیال ہے "وفی تسمیتہ ذوالکفل اقوال مضطربۃ لاتصح" روح المعانی ص ج ۷ یعنی ذوالکفل کے نام میں مختلف اقوال ہیں اور ان میں کوئی بات صحیح نہیں ہے۔ کیا اس صورت میں اگر کفل کو کپل کا معرب ٹھہرا کر یہ کہا جاوے کہ کپل والا ذوالکفل کے معنی ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو روایۃً اس کے رد کرنے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے۔ مذہبی دنیا کا اتنا عظیم انقلابی وجود جیسا کہ بدھ تھا، قرآن میں اگر اس کا ذکر ہو تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً اسلام سے اس کا جو تعلق ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے ۱۲ [2] دیکھو "ہندو ستانی تہذیب ازمنۂ وسطیٰ میں" شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی آلہ آباد بیان بدھ مت اور (۱۱) جین مت [3] دیکھو فجر الاسلام ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری

گاتھا کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کس زبان میں تھی؟

ہے کوئی مؤید جو پوچھنے والوں کی تسلی دوسروں کی شہادتوں سے نہیں اپنی خانگی گواہیوں سے کر سکتا ہے، گاتھا کے شروح و تراجم، اوستا اور ژند اوستا کا نام بلا شبہ باقی ہے، لیکن اس کی اکیس سورتوں سے بجز ایک سورۃ کے جس پر موجودہ آتشکدوں اور ان کے رسوم کی بنیاد ہے اگر غیروں میں نہیں تو کیا اس پر ایمان لانے والوں کے یہاں بھی کوئی سورۃ پائی جاتی ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا ہے، جو جانے ہی کے لئے آئے تھے وہ آکر جب چلے گئے تو اب ان کی تلاش میں لوگ کیوں سرگرداں ہیں؟

اب ان لکیر پیٹنے والوں سے کوئی ہوتا جو کہتا کہ سانپ نکل چکا ہے، لکڑیاں ٹوٹیں گی ٹوٹتی چلی جائیں گی، ہاتھ شل ہوں گے اور ہوتے چلے جائیں گے لیکن سانپ نہیں مرے گا۔

مرگھٹوں پر نالہ کرنے والو! دخموں پر واویلا مچانے والو! سن لو! جو جانے کے لئے یہاں آتا ہے، چلے جانے کے بعد پھر یہاں واپس نہیں ہوتا، اس دنیا کی ریت یہی ہے، پھر جو جا چکے ان پر تم کب تک روؤ گے؟ اور یہ حال تو ان کا ہے جن کے پاس کچھ نہیں ہے، ہر پچھلے کے لئے پہلوں کے گانٹھے ہوئے منصوبے ان کے دین بن جاتے ہیں، دھرم ان کے یہاں صرف اسی شخص کی بات ہے جو ان سے پہلے اس دنیا میں آیا ہو۔ اٹھارھویں صدی والوں نے جو خیالی من پلاؤ پکایا، انیسویں صدی والوں کے لئے یہی دینی غذا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ سلہ میں وسوسوں کا جو جال بنا گیا، سلہ میں وہی نجات کی کشتی بن جاتی ہے، اور یہ کیفیت ان کی ہے جن کے پاس اپنے بزرگوں کے نام کے سوا کام کا کوئی تنکا بھی باقی نہیں۔

لیکن وہ جن کا دعویٰ مذہب کے میدان میں سب سے اونچا ہے، جنہوں نے اپنا نام ہی کتاب والا رکھا ہے، کیا واقعی جن کتابوں کا پشتارہ اپنی پیٹھوں پر لادے لادے وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہی یہودی اپنی کتابوں کی راہ سے ان موسیٰ علیہ السلام کو پاسکتے ہیں جن کی زندگی سے وہ اپنی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

مصریوں کی غلامیوں میں صدیاں کاٹنے والے بنی اسرائیل کے آوارہ گرد صحرا نوردوں کو جب خدا کے پیغامبر موسیٰ علیہ السلام آسمانی تختیاں سونپ کر کے موآب کی سرزمین میں بحالت مسافرت آسودہ ہوئے سب جانتے ہیں کہ ان میں اس وقت یعقوبؑ کے گھرانے کے بارہ اسباط اور خانوادے شریک تھے، یہی بارہ اسباط تھے جنھیں حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کا محافظ و نگراں ٹھہرایا تھا، لیکن ان بارہ سبطوں میں سے دو ایک نہیں پورے دس اسباط کو جب نینوا کا نمرود تغلط فلاسر اور اس کے بیٹے سرگون نے شامرون کے شہر سے نکالا۔

جو قتل ہوئے، جو ذبح ہوئے جو جلائے گئے، زن و مرد بچوں بوڑھوں کی ان لاکھوں کی تعداد کو چھوڑ کر جن بیکسوں کو زنجیروں میں جکڑ کر رسیوں میں باندھ کر سرگون نے ایشیاء کے شمالی و مشرقی کوہستانوں میں جنگلی جانوروں کی طرح کھدیڑ دیا، تو کیا دنیا نہیں جانتی کہ اسرائیل کی ان کھوئی ہوئی بھیڑوں نے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو، ان کی کتاب کو دنیا کے کسی حصہ میں پھر کبھی کبھی بھولے سے بھی یاد کیا؟

ہوں گے، شامرون کے بن باسی اسرائیلی ہوں گے، دنیا کی ان ہی قوموں میں ہوں گے جو ایشیا کے شمالی مشرقی حصوں میں آباد ہیں لیکن کیا ہندوستان کے برہمن اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر کرسکتے ہیں؟ افغانستان کے باشندے یہودی ہونے کی گالی برداشت

کر سکتے ہیں، سندھیوں میں اور بلوچستانیوں میں کوئی یہ یقین پیدا کرا سکتا ہے
کہ وہ شامرون ہی کے یہودیوں کی نسل سے ہیں؟ مارواڑ کے سودی کاروبار
کرنے والے ساہوکاروں کو کوئی باور کرا سکتا ہے کہ ان کے اجداد فلسطین
کے رہنے والے تھے،[1] وہ موسیٰ علیہ السلام سے بچھڑ گئے اور موسیٰ بھی ان سے
بچھڑ گئے، اور یہی ان کے لیے مقدر تھا، آخر بیکسوں کا یہ محروم قافلہ اپنے ساتھ
اپنے ان فاقہ زدہ ڈھانچوں کے سوا اور کیا رکھتا تھا؟ جن کے ساتھ ان کی جانیں اٹکی
ہوئی تھیں، یا لوہے کی وہ زنجیریں اور سن کی وہ رسیاں جن میں وہ جکڑے ہوئے اپنے
گھروں سے نکالے گئے

"موسوی شریعت"، "موسوی سیرت" کی حفاظت کی بڑی قوت اس طرح دنیا
کی دوسری قوتوں میں کھپ گئی۔

اب دینی میثاق کا سارا دارمدار اسرائیل کے محض ان دو سبطوں کے بچے کھچے
لوگوں پر رہ گیا جو فلسطین کے جنوبی علاقہ میں آباد تھے۔ اگرچہ عملاً حضرت موسیٰ علیہ السلام
اور ان کی شریعت سے وہ بھی دور ہو چکے تھے لیکن اتنا پھر بھی قریب تھے،
پر جو جانے کے لیے آیا تھا اس کے جانے کی آخری گھنٹی بھی بجا دی گئی، آنے والے کی روانگی کا

---

[1] بنی اسرائیل کے یہ دس اسباط کہاں گم ہو گئے، مورخین کا اس کے متعلق مختلف خیال ہے عام رجحان یہی
ہے کہ افغانستان اور سرحد کی پہاڑیوں میں رہنے والے شاید یہی لوگ ہیں جنہوں نے پہلے بدھ مذہب اور
آخر میں اسلام قبول کیا۔ درۂ خیبر، کوہ سلیمان وغیرہ انہی قرائن کے سوا ان کی شکل و صورت عادات
و اطوار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تیرزوارہ کا کوئی حصہ بھی سرحدی قبائل میں کسی مورخ کو ملا تھا، خود
بھی ان میں بعض اپنے کو اسرائیلی کہتے ہیں، پشتو زبان کے الفاظ میں بھی ان کے قرائن ہیں اسی طرح بعضوں
کا خیال ہے کہ سندھ میں شامرونی تمدن کے آثار ملتے ہیں وہ شامرون کے ان ہی اسرائیلیوں کے ہیں
بعض لوگ راجپوتانہ کے مارواڑی ساہوکار اور ہندوستان کے برہمنوں کو اسرائیلی قرار دینا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

وقت آگیا، آشوری برباد ہوئے، بابل آباد ہوا، اسی بابل کا مشہور نمرود، بخت نصر، آندھی کی طرح اٹھا، بادل کی طرح چڑھا اور پھر صاعقہ بن کر گرا، اسرائیل کے ان دو پسماندہ سبطوں وجاسوا خلال الدیار جس کی تفسیر میں یہودی اور غیر یہودی ہر قسم کے مؤرخین کا بیان ہے۔

"پوری قوم بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند گرفتار کرایا، خانۂ خدا کی تمام چیزیں لوٹ لیں۔ سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مقدس عمارت کو کھود کے زمین کے برابر کر دیا، سارا شہر منہدم کر ڈالا، گرد کی فصیل گرا دی، ہر جگہ آگ لگا دی، ہر چیز جلا کے خاک سیاہ کر ڈالی" (تاریخ یہود مؤلفہ شرر صلا)

اور یہ ان کے شہر اور ملک کا حال ہوا، خود موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کے آخری نگرانوں پر کیا گذری؟

"ساری قوم بنی اسرائیل کی گرفتار ہو کے بابل روانہ ہوئی، بخت نصر یہودیوں کے بادشاہ صدقیاہ کو بھی اپنے ساتھ پکڑ لے گیا اور بابل میں پہنچنے کے بعد اس کے بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے طرح طرح کے عذابوں سے قتل کئے گئے، اور یہ جگر پاش منظر دکھانے کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں تاکہ پھر خوشی کی چیز نہ دیکھ سکے" (کتاب مذکور صلا)

یہودیوں کا بادشاہ اندھا کیا گیا، اور یہودی اگرچہ زندہ رکھے گئے لیکن کیسی زندگی؟

"سخت محنت اور جفا کشی میں رہتے، اور اپنی حالت کو یاد کر کے روتے، انہیں اپنے مذہبی رسموں کے بجالانے کی ممانعت تھی، نہ قربانی کر سکتے تھے، نہ روزے رکھ سکتے تھے"۔ (کتاب مذکور صلا)

علاوہ اس طرح موسوی شریعت کے رسوم سے بھی جدا کئے گئے اور یہودیوں کا جو کتابی سرمایہ تھا اس کے متعلق تاریخ کی یہ اتفاقی شہادت ہے:۔

"توراۃ مقدس اور قدیم آسمانی صحف انبیاء کا کہیں پتہ نہ تھا، اس لئے کہ بابلیون کے طوفان بے تمیزی نے ان کی قدیم تاریخ اور اگلے اسرائیلی لٹریچر کے ساتھ ان مقدس کتابوں کو بھی فنا کر دیا تھا" (کتاب مذکور صہ۹)

قرآن کی آیت ہے جس میں اسرائیلیوں کی تباہی (۵) کا ذکر کیا گیا کہ ان کے ملک میں رو، آور فوج گھس پڑیں ۱۲

اسرائیل کے، یہاں دو سبط موسوی دین کے آخری سہارا تھے سو ٹوٹ کر
پاش پاش ہو گیا،

یہ سچ ہے کہ غلامی کی اس رسوا زندگی اور اسیری کی ان ذلیل گھڑیوں سے
اولاد یعقوب کو ایک مدت کے بعد نجات میسر آئی، اس وقت نجات میسر آئی
جب اسیر ہونے والے زندگی کی قید سے آزاد ہو چکے تھے اور صرف ان کے وہ
بچے رہ گئے جنھوں نے اس ملک میں آنکھیں کھولی تھیں جہاں ان کے مذہب کی تعلیم
ممنوع تھی اور مذہبی رسوم کی بجاآوری جرم ٹھہرائی گئی تھی، لیکن اپنے ماں اور باپ
کی نالہ و بکا کے شور میں ان کے کانوں تک آواز پہنچی تھی کہ وہ بھی کسی دین کے وارث
اور خدا کے کسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت کے پاسبان ہیں۔

گریہ و واویلا کی ان آوازوں کا یہ اثر تھا کہ جب (سائرس) شاہ ایران
نے نمرود عراق کی حکومت کا تختہ الٹ کر اسرائیلیوں کو بھی آزادی بخشی تو ان کی
ایک بڑی جماعت ہانپتے کانپتے راکھ کے اس ڈھیر پر پہنچی جو سلیمان و داؤد کے
شہر و ہیکل کے جلانے کے بعد یروشلم کے میدانوں میں پڑی ہوئی تھی، یہودیوں کے پہلے
قافلے کے دن گویا روتے اور پچھتاتے ہی کے نذر ہو گئے، تاآنکہ وہ قافلہ بھی آ گیا جس
میں دین کے غمخوار وہ اسرائیلی نوجوان عزرا یا عزیر (علیہ السلام) بھی تھے، ان کے یاد دلانے
پر لوگوں کو موسیٰ کی اس کتاب کا خیال آیا جو نہ دنیا میں کاغذ کے اوراق پر موجود
تھی، اور نہ بابل کی زندانی زندگی میں پیدا ہونے والے یہودیوں کے دماغ میں
اس کا کامل کیا بلکہ ناقص سا بھی کوئی ہلکا سا خاکہ موجود تھا۔

الٹا گیا، جا کنستر کا وہی تودہ الٹا گیا، کہا جاتا ہے کہ راکھ اور کوئلے کے اسی ڈھیر کے

نیچے کسی تہ خانہ کے اندر سے عزیر علیہ السلام کو توراۃ کا وہ نسخہ ہاتھ آیا جس کی حفاظت اسرائیل کے دوا سباط اس طرح کرتے چلے آرہے تھے کہ یہودیوں کے گھروں میں نہیں بلکہ ہیکل میں صرف اس کا ایک نسخہ رہتا تھا جسے ساتویں سال یہودی اس طرح سن لیا کرتے تھے۔ جس طرح آج دنیا کے مسلمان ہر سال تراویح کی شکل میں ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن کا سننا ضروری سمجھتے ہیں۔

راکھ کے نیچے کا یہی نسخہ تھا جو کسی نہ کسی طرح خدا کی قدرت سے جیسا کہ یہود کہتے ہیں آگ کے ان شعلوں سے محفوظ رہ گیا تھا جس نے سلیمان کی ہیکل کا تنکا تنکا جلا کر خاک کر دیا تھا، جو بعد میں ان تمام نسخوں کی اصل قرار پایا جنہیں آئندہ یہودیوں نے اپنی نجات کا ذریعہ ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کی ساری راہیں جب قطعی طور پر بند ہو چکی تھیں اس وقت خاکستری نسخہ کا ایک سوراخ نکل آیا، جس سے جہاں تک ممکن تھا، یہودی حضرت موسیٰ کو پھر دیکھ سکتے تھے، لیکن زمانہ نے اس سوراخ کو بھی زیادہ دن تک کھلا نہ رکھا، اور ایک دفعہ نہیں، بار بار ہر سو دو سو سال کے بعد کبھی یونان سے کبھی روم سے ایسے جتھے اٹھے جو رہ رہ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے تھے اور یہودی کھولتے تھے (انٹونیس) یونانی نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر توراۃ کے نسخوں کو جلا کر دنیا سے ناپید کیا ہیکل کو پھر زمین سے برابر کر کے اس کی جگہ جوپیٹر کا مندر بنایا، لیکن باوجودیکہ انٹونیس کا یہ خونی حکم تھا کہ جن کے پاس توراۃ کا ایک ورق بھی ملے وہ مارا جائے تاہم یہودی کہتے ہیں کہ مقابی یہودی بادشاہ کے زمانہ میں انہوں نے پھر اس کتاب کو زندہ کر لیا، انٹونیس کے بعد رومی قہرمان طیطس کا فتنہ آگ کی طرح اٹھا، اس نے گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا ہیکل، اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں

نذر آتش ہوا، توراۃ پھر دنیا سے جل کر ناپید ہوئی لیکن یہودی کہتے ہیں انھوں نے کسی کسی ذریعہ سے اسے پھر پیدا کر لیا حالانکہ توراۃ بجز ہیکل یا شاہی خزانہ کے اور کہیں نہیں ہوتی تھی، طیطس کے بعد روم کے قیصر ہڈرین نے پھر پانچ لاکھ یہودیوں کو ذبح کر کے ان کی کتاب کے ساتھ وہی کیا جو پہلوں نے کیا تھا، اس نے بھی جوپیٹر کا دیوتا اسی جگہ قائم کیا، جہاں کبھی سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی مسجد بنائی تھی، اس نے یروشلم کا نام بدل کر ایلیاہ رکھ دیا۔ آغاز اسلام تک بیت المقدس اسی نام سے موسوم تھا تا اینکہ آنے والا آیا اور جس طرح اس نے دنیا کے پاکوں کی تقدیس کی، یہودیوں کے اس پاک شہر کا نام بھی بیت المقدس ہو گیا،

ہوتا رہا، تباہیوں کا اور بربادیوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کا یہ تنگ و تاریک سوراخ حوادث و واقعات کے طوفانوں میں کہاں تک کھلا رہ سکتا ہے اور اس پر یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ بچھڑنے کے بعد بھی وہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے نہیں بچھڑے، دنیا فیصلہ کر سکتی ہے کہ یہودی جس آئینہ کو پیش کر رہے ہیں کیا اس میں واقعی حضرت موسیٰ اور ان کی پاک تعلیم کی وہ صورت نظر آ سکتی ہے جو واقعی ان کی صورت تھی؟ راکھ کے اس ڈھیر سے "موسوی شریعت" کا جو سانچہ تیار کیا گیا ہے کیا سچ مچ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا سچا قالب ہو سکتا ہے؟ سچائی کی پیاس ہی جن میں بجھ کر رہ گئی ہو، جن کو بجائے یقین کے شک ہی کے انگاروں پر لیٹنے میں ٹھنڈک میسر آتی ہو ان سے بحث نہیں ہے، لیکن جن میں صداقت کی تڑپ ہے، جو واقعی ایمانی بشاشت کی تلاش میں ہیں کیا شبہات و شکوک کے ان گھپ اندھیروں میں، شادیں اوہام کے ایسے خطرناک گھنے جنگلوں میں پھنس سکتے ہیں کہ ان کو وہاں ابدی زندگی کا چشمہ نصیب ہو؟ کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دو ہزار سال سے جس خاکستری توراۃ کے بھی صرف ترجموں

غلط سلط ترجموں در ترجموں کا دنیا میں رواج ہو، جس میں ایسے واقعات اور اسماء بکثرت پائے جاتے ہوں، جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں، اُف! جس میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کی تجہیز و تکفین تک کی داستان درج ہو، (استثناء باب ۳۴) کسی میں جھوٹ کی برداشت کرنے کی اتنی صلاحیت ہے کہ اس کو پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب قرار دے۔ ممکن ہے کہ مذہب میں منطق کو دخل نہ ہو، لیکن کیا اس حد تک کہ علانیہ جن کتابوں میں پیغمبروں پر شراب خواری یا حرام کاری کا الزام لگایا گیا ہو، لوطؑ جیسے اولوالعزم نبی اللہ کو (العیاذ باللہ) اپنی بیٹیوں سے ملوث کیا گیا ہو، خداوند قدوس کے کلام کو ایسی فحش گالیوں سے بھر دیا گیا ہو، جن کو بازاری غنڈے بھی اپنی زبانوں پر لاتے شرماتے ہوں، جس کتاب کا خدا چیختا ہو، روتا ہو، کیا یہ اس رب قدوس کی کتاب ہو سکتی ہے، جس کی تقدیس و تمجید کا ترانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے رسولوں نے دنیا کو سنایا تھا۔

اس رومن کیتھولک پادری کے قلم سے گو مناظرہ کے جھونک ہی میں سہی، لیکن ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کو مخاطب کرتے ہوئے کتنے صحیح الفاظ نکل آئے ہیں:۔

"اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا وہ اپنی نجات کی دلجمعی صرف ایک ایسی کتاب کے بھروسہ پر رکھ سکتا ہے جسے وہ کلام الٰہی نہیں ثابت کر سکتا، ایک کتاب جسے وہ سمجھ نہیں سکتا، ایک کتاب جسے جہلاء و ضعفاء اپنی ہلاکت کے لئے پڑھتے ہیں ایک کتاب جس کے اکثر حصے کھوئے گئے ہیں، ایک کتاب جو ازبس غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے، جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں؟ ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کلی اور نجات کی مکمل راہ ہو سکتی ہے[1]"

[1] ترجمان القرآن مضمون ذوقی شاہ صاحب بحوالہ کتاب مرآۃ الصدق مصنفہ پادری بیڈلی مترجمہ مسٹر نکلسن صفحہ ۱۶۱

جو اپنی "دینی شریعت" کا سرچشمہ اس کتاب کو قرار دیتے ہیں، جب ان کی یہ تنہا وراثت ہے تو کیوں
نہ یقین کیا جائے کہ خدا کے یہاں سے جو کتاب جلنے ہی کے لیے آئی تھی اس کے جلنے کا وقت
آگیا تھا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بخت و اتفاق یا بے نظمی کے تحت نہیں بلکہ تقدیری نظام کی
ماتحتی میں وہ آئی بھی اور اسی قانون کے زیر اثر وہ جہاں سے آئی تھی چلی گئی، اور جس طرح
اسرائیل کے دس اسباط کو بچھڑنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیم سے ملنا
نصیب نہ ہوا، تقریباً کچھ اسی طرح وہ دو اسباط بھی کھوئے گئے اگرچہ وہ اب تک اسی
غلط فہمی میں ہیں کہ ہم پائے ہوئے ہیں۔

باقی رہی دنیا کی وہ مذہبی جماعت جس کے پیغمبر نے اگرچہ کل اپنی ڈھائی سال کی
نبوت کے بعد ان سے کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے
کہ آنے والا میرے جانے کے بغیر نہیں آئے گا۔"

اور یہ کہہ کر وہ جو جلنے ہی کے لئے آیا تھا چلا گیا، یہ عیسائی کہتے ہیں کہ نہیں گیا، مگر
جب پوچھا جاتا ہے کہ تم مسیح علیہ السلام اور ان کی زندگی کو کن راہوں سے پاتے ہو تو دیکھنے
کا وہ وقت ہوتا ہے، جب ان میں ایک دوسرے کو تاکتے ہیں، گھورتے ہیں کیا مسیح کی
کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ کیا اس کی کتاب کا کوئی ترجمہ تمہارے پاس ہے؟ حیرت
کی خاموشی کے سوا ان مسکینوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے، نامعلوم الاسم والحال
شخصیتوں کے ہاتھوں کے کچھ میلادی مسودے ہیں جن کی وقعت مسلمانوں کے ان عام
میلادی رسالوں سے زیادہ نہیں جن میں سعدی یا شہیدی وغیرہ ناموں سے درود میں
آنے پیسے لیکر گشتی مولود خوان ہندوستان میں پڑھتے پھرتے ہیں۔ ان ہی رسالوں کا نام انجیل رکھا گیا ہے
اسی قسم کی ہزارہا انجیلوں میں سے چار انجیلوں کا انتخاب کرکے ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ خدا کی کتاب مل گئی

مسیح اور ان کی تعلیم مل گئی، نجات کی روشنی مل گئی۔

اور ان کی کتابوں کا انتخاب کس طرح ہوا، ہر عیسائی جانتا ہے کہ نیقیہ[1] کے کونسل والوں نے گرجا کے صدر مقام پر انجیلوں کے اس انبار کو تہ بر تہ کر کے رکھ دیا، کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے جنون والے پادری سجدے میں گر کر آنکھیں بند کر کے دعا کرتے رہے دل ہی دل میں منتر پڑھتے جاتے تھے۔

"جو جھوٹی ہے سو گر جائے، جو جھوٹی ہے سو گر جائے" کہتے ہیں کہ سب گر گئیں صرف چار اور ان کے ساتھ پولس کے کچھ خطوط بھی گرنے سے رہ گئے سجدے سے سر اٹھا کر وہی سر پر رکھی گئیں اس کے بعد مسیح علیہ السلام کی سچی انجیل یہی ہے"۔ اس آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا گیا، کہا جاتا ہے کہ کونسل کے ان پادریوں میں سے دو کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔

ان کی قبروں پر اس رپورٹ کی مکمل رات کو رکھ دی گئی، صبح کو توثیقی دستخط اس پر ثبت شدہ تھے، تصحیح و تغلیط، تنقید و تنقیح کے اس عجیب و غریب انوکھے طریقہ پر شاید دنیا نے نہ اس سے پہلے کبھی عمل کیا تھا، نہ ان کے بعد کسی کو اس کی نوبت آئی۔

اسی شعبدہ سے یقین پیدا ہوا، اور اسی یقین پر عیسائی جی رہے ہیں اُفٍّ لکم ولما تعبدون حالانکہ جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرما دیا تھا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لئے مفید ہے" اس پر عیسائی کان دھرتے اور جو جا چکا تھا اس کے ٹھہرے رہنے پر اصرار نہ کرتے تو مسیح کے جانے کے بعد جو جانے کے لئے نہیں بلکہ آنے ہی کے لئے آیا اس کے پہچاننے میں انہیں کتنی آسانی ہوتی نہ سرے سے انجیل گرانے کا منتر پڑھنا پڑتا، نہ مردوں سے دستخط لینے کی ضرورت پیش آتی۔

اور کیا صرف مسیح علیہ السلام نے آنے والے کے آنے کا دنیا کو منتظر بنایا تھا جو مسیح علیہ السلام

---

[1] مشرقی روم کا ایک شہر تھا جس کو انگریزی میں نیقیس کہتے ہیں۔ ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم کے ایما سے اس شہر میں نصاریٰ کی ایک مشہور کونسل ہوئی جس میں تین سو سے زیادہ بشپ اور پریسبٹر شام و عراق سے لیکر جزائر برطانیہ تک شریک تھے دو مہینے تک اس کے اجلاس بادشاہ کی صدارت میں ہوتے رہتے اور اسی کونسل نے "تین ایک ہے ایک تین ہے" کو مسیحی مذہب کا جزو اعظم بلکہ بنیاد ٹھہرایا۔

کے جانے کے ساتھ ہی آگیا، اس پر کیا تعجب ہے کہ انہوں نے اتنا قریب سے اس کو دیکھ لیا، اور سچ تو یہ ہے کہ ڈھائی سال کی اس نبوت کا مقصد اگر بجائے تعبیر کے عیسائی بھی اسی طرح آنے والے کی تبشیر اور "مبشر برسول یاتی بعدی اسمہ احمد" قرار دیتے جیسا کہ قرآن نے قرار دیا ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ وہ اسی کو ڈھونڈھتے جس کے بتانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

بہرحال مسیح[1] نے اگر یہ کہا تو یہی کہنے کے لئے وہ آئے تھے مگر جس طرح مغربی زمینوں کو درست کرنے والے نے اپنا فرض اس طرح ادا کیا، دیکھو کہ اس سے پانچ سو برس پہلے مشرقی ممالک کو ایک مشرقی بنانے والے نے بھی، جس نے دھرم کا نرسنگھا، ایران سے چین کی دیوار دن تک پھونکا سنو! چلتے ہوئے اس نے دنیا کو کیا وصیت کی؟ اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے، لیکن مٹنے سے جو چیزیں بچ گئی ہیں اس میں مہاتما بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے جس کو اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندہ نے اپنے شاگرد "نندا" کے کان میں اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی، اور اس کا یہ مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا:

"آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا"؟

---

[1] "بشارت سناتے ہوئے اس بات کا (مسیح نے) کہ میرے بعد ایک رسول آرہا ہے جس کا نام "احمد" ہے قرآن کی اس مشہور آیت کا ترجمہ ہے جو سورۂ صف کے پہلے رکوع کی آیت ہے، یہی لفظ ہے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں "فارقلیط" یا "پیرو کلوطوس" سے کیا گیا ہے۔ اور اب جس کے ترجمہ میں ہر سال اصلاح کی جاتی ہے "روح القدس" "تسلی دہندہ" "شفیع" "وکیل" "روح حق" اور نہ جانے کیا کیا لیکن محققین علماء نصاریٰ میں ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جنہوں نے اس کا ترجمہ "احمد" ہی قرار دیا ہے، دیکھو خطبات احمدیہ سید احمد خاں ۱۲

بدھ نے اس کے جواب میں کہا "نندا! میں پہلا بودھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا، نہیں آخری بودھ ہوں، اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بودھ آئے گا"

"مقدس، منور القلب عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کائنات انسانوں کا عدیم النظیر سردار جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں وہ بھی وہی ظاہر کرے گا، وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا"

نندا نے کہا "ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے" آپ نے فرمایا:-

"وہ میتریا کے نام سے موسوم ہو گا"

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھسٹ کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا، جس میں اسی "میتریا" لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا تھا:-

"وہ جس کا نام رحمت ہے"

کیا اس کے بعد اس میں شک کرنے کی گنجائش ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مغربی، مقدمۃ الجیش اور مبشر جانتے ہوئے اپنے جس فرض سے سبکدوش ہوا تھا، بجنسہ اسی فرض کو اس نے بھی خوبی کے ساتھ ادا کیا جس کو خواہ دنیا کچھ ہی خیال کرتی ہو، لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ وہ بھی جہاں کے ابر رحمت کے لئے مشرق کی کھیتیوں کا تیار کرنے والا تھا، اور بلاشبہ چین، ایران، بخارا، خراسان، ترک، تاتار، منگولیا، افغانستان ہر حد، بلوچستان، سندھ، ہندوستان کے بودھوں نے رحمت کی اس بارش سے قیمتی فائدہ اٹھایا، کاش ہوتا کہ مغربی نقیب کے ماننے والے بھی بجائے تین کو ایک، ایک کو تین ثابت کرنے کے لایعنی

جھگڑوں کے اپنے ہادی کی اس آرزو کو پوری کرنے جس کا پورا کرنا اس کے وجود کا سب سے بڑا
مقصد تھا (صلوات اللہ علیہم وسلام) اور قریب ہے کہ اپنی اس آرزو کو وہ ان سے پوری کرائے۔

اور کیا مشرق و مغرب کے ان دونوں نقیبوں ہی نے دنیا میں اس آنے والے کی
آمد کا گھنٹہ بجایا؟

جو "عہد کا رسول" اور "میثاق کا نبی" تھا اس کے متعلق عہد کرنے والوں میں سے کس نے
عہد شکنی کی، یہ دونوں تو اس سے بہت زیادہ دور نہ تھے، لیکن جو اس سے دور دراز بہت دور
تھے انھوں نے بھی دنیا کے آگے کیا اس سے اپنا قرب نہیں جتلایا، سینا کی روشنی میں حضرت
کلیم کو دکھایا گیا دیکھ کر وہ چلائے:۔

"خدا سینا سے نکلا، سعیر سے چمکا اور فاران[1] ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا دس
ہزار قدوسیوں کے ساتھ" (پیدائش باب ۱۷-۲-)

دیکھو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو بھی دیکھ رہے ہیں، اور اس کے صدقہ میں ہزارہا
برس پہلے ان کو بھی دیکھ رہے تھے جنہوں نے صرف اس کو دیکھ کر ملائکہ کا رتبہ حاصل کیا، ایک
دو کو نہیں دیکھا بلکہ ان کی دس ہزار کی تعداد کو دیکھا، ان کی قدوسیت کی شہادت ادا کی[2]۔
داؤد علیہ السلام اس کے گھر کی تمنا میں بے چین ہو ہو کر اپنی بانسری سے یہ زبور لے پیدا فرماتے تھے۔
"مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بستے ہیں، وہ سدا تیرا احمد کریں گے، وہ بکے سے گزرتے

---

[1] فاران مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے، بائبل کے لٹریچر کے لحاظ سے یہ ایک بڑی حقیقت ہے، تاہم حق پوشی کے لیے لوگ بجائے عرب کے اس کو دنیا کے دوسرے خطوں میں تلاش کرتے ہیں، خطبات احمدیہ میں سرسید مرحوم نے اس پر مفصل بحث کی ہے ۱۲۔

[2] بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح کر کے جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اس وقت دس ہزار اصحاب کرام تھے ۱۲۔

ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے، (زبور باب ۸۴)

قرآن نے اگر مکہ ہی کا نام بکہ بتایا تو تم کو اطمینان نہیں ہوا، لیکن جب قرآن کے مشہور دشمن مارگو لیوتھ نے بھی گواہی دی کہ زبور کا یہ بکہ بجز مکے کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی[1]، تو منکر اب کیوں چپ ہیں، حالانکہ جس کے باپ نے بیابان میں اپنی بانسری بجائی تھی اسی کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے اپنے شاہی تخت پر اس کے آگے سر بھی جھکایا تھا، اشاروں کنایوں میں نہیں علانیہ نام لے کر اپنے دل کی اس لگن کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:۔

"خلو محمدیم زہ دودی زہ رعی" (غزل الغزلات سلیمان پ۵۔ ۱۶)

"وہ ٹھیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہ میرے محبوب ہیں، میری جان"۔

اور کیا اس کے لئے، اس کے گھر کے لئے، صرف حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ہی نے تڑپے! سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے"۔ (یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲)

سچ کو جھوٹ بنانے کے لئے تم پہاڑوں کو مٹا نہیں سکتے، مدینہ منورہ کے ہر بچے سے اب بھی پوچھ سکتے ہو کہ وہ اپنی بکریوں کے لئے گھاس کس پہاڑ کے دامن سے لاتے ہیں۔ جب آنے والا مکہ سے مدینہ آرہا تھا اور جس کو حبقوق نبی نے دیکھ کر صدیوں پہلے اسی طرح خوشی کا نعرہ مارا:۔

"اللہ جنوب سے، اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا زمین احمد کی حمد سے بھر گئی"۔ (کتاب نبی مذکور باب ۳)

---

[1] دیکھو سیرۃ شبلی مرحوم بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ [2] سلع ہی کے پاس بیٹھ کر خندق کے نشانات موجود ہیں اور (۲۵ھ) یہ پہاڑ اسی نام سے اب تک مشہور ہے ۱۲۔

اور یسعیاہ نبی اپنے جوشِ بیان میں اس کا غلغلہ اس طرح بلند کر رہے تھے۔

"عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے اے ودانیو کے قافلو! پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ، اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلواروں، کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔" (یسعیاہ باب ۲۱)

کیا آنے والے کی اس آمد پر دامن سلع کے باشندے (مدینہ والے)

طلع البدر علینا

اور اسی قسم کی جن گیتوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر للکار رہے تھے دنیا کی کس قوم کے حافظہ میں اب وہ گیت محفوظ نہیں ہیں دیکھو! ابھی للکار سے قیدار کی اولاد (قریش مکہ) کی عظمت بدر کے کنوئیں میں غرق ہوئی، کیا ٹھیک تاریخ کی قید کے ساتھ وقوعہ سے پہلے اور سینکڑوں سال پہلے یہی یسعیاہ پیغمبر یہ کہتے ہوئے چلا نہیں رہے تھے:۔

"ٹھیک ایک سال مزدوروں کے ایک سال میں قیدار کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی۔"

اور میں کیا بتاؤں کہ ان پیمان وفا باندھنے والوں نے کتنی قوت کے ساتھ اپنے اپنے وعدوں کا ایفا کیا ہے، حالانکہ ان کا سب کچھ مٹا دیا گیا ہے، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کس کی قوت نے ان خاص نوشتوں کو مٹنے سے بچا لیا، ملاکی نبی نے سچ فرمایا تھا:۔

"وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں! عہد کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے تم خوش ہو، وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا، دیکھو! وہ یقیناً آئے گا۔"

ے قرآن کی آیت ہے، وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ میں صاف اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام پیغمبروں سے عہد لیا گیا، اور اس عہد کا گواہ خود (۱۲؍۲) حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کو بنایا ۱۲۔

ربّ الافواج فرماتا ہے، پر اس کے آنے کے دن میں کون ٹھہر سکے گا، اور
جب وہ نمودار ہوگا، کون کھڑا رہے گا" (ملاکی نبی کی کتاب باب ۳)
جس ہیکل میں وہ ناگہاں آیا، سب جانتے ہیں کہ کسی زمانہ میں اس کے مٹانے پر اکا
کرکے جو عہد نامہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، اس میں کبھی بھی پیش آیا تھا[1] جو ان عہد کرنے
والوں کی کتابوں کے سامنے پیش آیا، اور کون ہے جو اس کے آگے کھڑا رہتا؟۔

"وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی طرح ہے" (ملاکی نبی باب ۳)
جو جلنے کے لئے تھا وہ جل گیا اور جو دھلنے کے لئے تھا وہ دھل گیا اور جو چمکنے
اور صاف ہونے کے لئے تھا وہ چمکا اور ستھرا ہوا، اور باوجود چھپانے کے اب تک چمک رہا ہے۔
خیر بات بہت دور جا رہی تھی اگر اس ضمنی بحث کی تفصیل میں اور آگے بڑھا گیا۔
میرے سامنے تو اس وقت صرف یہ تھا کہ جتنے آنے والے آئے، سب جانے کے لئے آئے، اور
بقول تاریخی، واضح شہادات کی روشنی میں دیکھا جا چکا کہ جو بھی آیا، بالآخر ایک ایک کرکے کسی
نہ کسی طرح خود وہ، ان کی زندگی، ان کی تعلیم جہاں سے طلوع ہوئی تھی وہیں بالآخر غروب
ہوگئی، اور بلاشبہ ان کے لئے یہی مقدر تھا، قدرت کے باندھے قانونوں کو دنیا کا کون سا
زور کھول سکتا ہے، پر اب دیکھو کہ وہ آتا ہے، جو آنے ہی کے لئے آیا، کس شان کے ساتھ
آیا، کس آن کے ساتھ آیا، مصریوں کی غلامی میں صدیاں بسر کرنے والوں میں نہیں بلکہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع میں اس طرح اچانک مکہ پہنچے ہیں کہ صحابہ کی دس ہزار فوج جب مکہ کے سواد میں پہنچی اور رات کو کھانا پکانے کے لئے چولھے روشن کئے گئے تب ابوسفیان اور مکہ والوں کو علم ہوا کہ آپ آگئے ۱۲ [2] قریش نے اکا کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھانا پانی بند کیا تھا، اس پر جو باہمی معاہدہ ہوا تھا کعبہ میں لٹکایا گیا، لیکن دیمک تمام ظالمانہ باتوں کو چاٹ گئی ۱۲۔

جب سے دنیا ہے، آدم کے جن گھرانوں کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوا، جن کے دماغ میں آزادی کی ہوا کے سوا کبھی کسی کی غلامی کی گندگی نہیں پہنچی اور جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ :-

"وہ عربی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہوگا۔" (پیدائش باب ۱۶-۱۲)

اور اسی لئے وہ اپنی آزادی کو ہر چیز سے عزیز خیال کرتے ہوئے،

"وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کرے گا۔" (باب مذکور)

بلاشبہ آدم کی ساری اولاد کے درمیان شاید یہی ایک نسل تھی جس نے اپنے ہاتھ کو سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر ہمیشہ ایسی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطے کے باشندوں کو میسر نہ ہوئی ہو، وہ ان ہی آزادوں میں اٹھا، اور محسوس قوتوں میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ہے ایک ایک کے پنجے سے انسانیت کو آزادی دلانے کے دعوے کے ساتھ اٹھا۔

دنیا والے، ساری دنیا والے بلکہ حد تو یہ تھی کہ اس آزاد دنیا والے بھی انسانوں کے آگے تو نہیں لیکن سچی قوت سے ٹوٹ کر جھوٹی اور وہمی قوتوں کے وہمی بوجھ کے نیچے شاید تین ساڑھے تین سو سال سے دبے ہوئے تھے[1]، اور کتنے ہیں جو اب تک دبے ہوئے ہیں، وہ ان تمام کاذب قوتوں کو جھٹلاتا ہوا اٹھا۔

---

[1] سرزمین عرب جس کے مختلف حصوں میں حضرت اسمٰعیل کی اولاد اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی نسل پھیلی ہوئی تھی، اندازہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کل تین ساڑھے تین سو سال سے بت پرستی میں اس ملک کے لوگ مبتلا ہو گئے تھے، ورنہ اس سے پیشتر عموماً ابراہیمی دین عربی قبائل میں پھیلا ہوا تھا، دیکھو "الفوز الکبیر" شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ دہلوی ۱۲

والدین کی وفات پھر دیکھو! جس کا باپ مر جاتا ہے تو جھوٹی قوتوں کے ماننے والے گھبرا گھبرا کر چلاتے ہیں، واویلا مچاتے ہیں کہ اس بچہ کو کون پالے گا، بے زوری کو زور سے کہنے والوں کا زور توڑنے کے لئے خود اس کے ساتھ یہ دکھایا گیا کہ پیدا ہونے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے کہ وہ آئے اس میدان میں آنے والی جھوٹی قوتوں سے آزادی کا پرچم کھولا جائے گا، وہ دھوکہ کی اس قوت سے آزاد ہو گیا جس کا نام دنیا نے باپ رکھا ہے اور ٹھیک جس طرح ظہور سے پہلے اس کی ہستی نے اس آزادی کی شہادت ادا کی، نمود کے ساتھ ہی چند ہی دنوں کے بعد اس غلط بھروسہ کا تکیہ بھی اس کے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا جس کو ہم سب ماں کہتے ہیں۔

عبدالمطلب کی کفالت اور ان کی وفات جو اپنی جوانی کی قوتوں کو کھو کر بڑھاپے کی ہلی ہوئی دیوار کے سہارے زندگی کی نمائش ختم کر رہا تھا اس پیرانہ سری کے ساتھ آپ کے جدامجد نے چاہا تھا کہ یتیمی آزادی کی داشگاف ہونے والی حقیقت میں کچھ اپنی شرکت سے اشتباہ ڈال دیں، لیکن یہ اپنے دعوٰی کی خود دلیل تھا اس کی دلیل کمزور ہو جاتی، اگر عین وقت پر عبدالمطلب کی سرپرستی کے فریب کا پردہ چاک نہ کر دیا جاتا، آخر وہ بھی چاک کر دیا گیا۔

ابوطالب کی کفالت حقیقت یتیمی بیتی اور شاندار چہرے کے ساتھ اب اس بے مادر و پدر، لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی نہ چمکتی، اگر کہیں بجائے بے مایہ و بے بضاعت عم محترم حضرت ابوطالب کے خدانخواستہ آپ کی نگرانی [illegible] کے ساہوکار عبدالعزیٰ المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی لیکن شیر کے بچے لومڑی کے کھٹوں میں نہیں پالے جاتے جس قطرہ کی قسمت میں موتی ہونا ہے، وہ گھونگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا۔

غریب ابوطالب کی کفالت سے اس کے بر طانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا جس کے متعلق شاید بہتوں کو علم نہیں ہے کہ مدتوں ان کی یعنی ابوطالب کی گذران ان قراریط[1] پر تھی جو بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کے صلہ میں ان کا یتیم بھتیجہ مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے تھے،[2] اور جعفر عباس کی، یا علی (رضی اللہ عنہم) اس کی گود میں ڈال دیئے گئے، جن کی گود میں وہ پلنے کے لئے پیدا ہوئے تھے، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو خود قدرت کا ہاتھ براہ راست پال رہا تھا، اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی، اگر سمجھا جائے تو شاید عمر ایک بیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گذرا جان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے۔

دائی حلیمہ سعدیہ | فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلاوجہ پیدا ہوئیں۔

آپ کو حلیمہ رضہ سے دودھ ملا، یا حلیمہ رضہ، حلیمہ رضہ کی اونٹنی، حلیمہ رضہ کی بکریاں، حلیمہ رضہ کے شوہر، حلیمہ رضہ کے بچوں بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو، ان سب کو، دودھ آپ ہی کے ذریعہ ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے، اس کو سب جانتے ہیں، لیکن نہیں جانتے یا نہیں جاننا چاہتے ہیں۔

ملک عرب | کہتے ہیں کہ اپنی ماں سے آدمی آزاد ہو سکتا ہے لیکن دھرتی ماتا کی غلامی کا طوق کس کی

---

[1] خاص وزن کے معمولی سکوں کو کہتے ہیں ۱۲ [2] حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاشی مشکلات سے تنگ آکر بالآخر اپنے ایک بیٹے جعفر طیار کو اپنے بھائی عباس رضہ کے حوالہ پرورش کے لئے کر دیا تھا، اسی طرح دوسرے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلعم کے سپرد کر دئے گئے تھے، ماسوا اس کے تقریباً سیرت و تاریخ کی عام کتابوں میں حضرت ابوطالب کی جزر معاشی، تنگ حالی کی داستان موجود تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو آٹھ نو سال کا ان کا یتیم بھتیجہ بکریوں کے چرانے پر کیوں مجبور ہوتا ۱۲۔

کیوں میں نہیں کہ آدمی کے بچوں کو جو کچھ ملتا ہے، زمین ہی کی چھاتی سے ملتا ہے، وہ جو کچھ کھاتا ہے، جو کچھ پیتا ہے، جو کچھ پہنتا ہے، جس میں رہتا ہے، حتیٰ کہ جس میں بالآخر دفن ہوتا ہے، زمین اور زمین زادوں کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ اس جھوٹ میں سچ کا کتنا حصہ ہے۔ اس کے لئے دیکھو کہ اس واقعی آزادی کی راہ درست کرنے کے لئے وہ اس سرزمین سے اٹھایا جاتا ہے جو ایسی ہر چیز کے پیدا کرنے میں عقیم اور بانجھ ہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آدمی ان ہی پر جی رہا ہے، جن چیزوں سے زندگی پیدا ہوتی ہے عجیب بات ہے کہ ان کی پیدائش کا اس زمین میں امکان نہیں اور جن سے موت کی پیداوار ہوتی ہے، شاید دنیا کا یہ علاقہ اسی کا جہان ہے، اسی کا مکان ہے، جھلسانے والی لو، تپتی ہوئی ریگ، جلے ہوئے گرم پہاڑ، یہ اور اسی قسم کی چیزوں پر اس غیر ذی زرع وادی کی بنیاد ہے، اور ان ہی تباہیوں سے یہ بن کھیتی کا بیابان آباد ہے۔

جو باطل پروردگاروں کی بندگی سے مسجودِ ملائکہ کی ذریت کو رستگاری بخشنے آیا تھا، اس کے دعوے کا تجربی ثبوت اس شکل میں کس درجہ بے نقاب ہو کر سامنے آیا جب وہ اسی سرزمین سے سر اٹھا کر دنیا کو دعوت دیتا ہے، کیا اس کے دعوے میں زور اس سے پیدا ہوتا کہ وہ کشمیر کی گل ریز کیاریوں، سوئٹزرلینڈ کی نزہت انگیز وادیوں، شام کے فواکہ خیز باغوں سے عالم کو پکارتا کہ

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے

جو ہے اپنا نظر نہیں آتا (حضرت امجد)

ان ملکوں میں جو کچھ نظر آتا ہے، ان سرابی مغالطوں کے چکروں میں گھوم کر کتنے ماسے پیاس ہی کی حالت میں یہ بڑبڑاتے ہوئے ہمیشہ کے لئے تہ نشین ہو گئے کہ جو ان کی بیکا بچی

آنکھوں میں نہیں ہے وہ واقع میں بھی نہیں ہے، حالانکہ اگر محسوسات کی نظر فریبیوں کے پھندوں سے ان کی عقل کی گردنیں آزاد ہوتیں تو وہ اسے اپنی آنکھوں میں بھی اسی طرح پاتے جس طرح وہ ان کے باہر پایا جاتا ہے۔ بہرحال جس دلیس میں کچھ نہیں تھا جب اس نے خود اپنی ذات سے اس کی گواہی ادا کی کہ وہاں بھی وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو ان دلیسوں میں بھی کسی کو نہیں ملا اور نہ کبھی مل سکتا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں کیا کچھ نہیں ہے کیا اس عینی شہادت کے بعد بھی کوئی کسی دلیس کے بڑھو یا کسی وطن کے غبی ہونے کا دھوکہ کھا سکتا ہے؟

قریش اور قریش کی حالت

اور جس طرح اس نے خاک اور دھول کے بوجھ سے انسانیت کے سر کو ہلکا کیا، کیا دعویٰ پیش کرنے سے پہلے قدرت نے خود اس کو اس کے مبارک وجود کو، اس کی دلیل نہیں بنایا کہ قوم اور نسل کے دیوتاؤں کے آگے اس لئے بھجن گانے والے اس کے قدموں پر اس لئے لیا اور اپنے بچوں کے خون کا بھینٹ چڑھانے والے کہ قوم کے وجود میں افراد کی ضمانت مستور ہے، یہ لوگ قومی اور انفرادی بقا ہی نہیں بلکہ سرے سے بقا ہی کے راز سے جاہل ہیں۔

دیکھو! جس طرح وہ ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جس میں کچھ نہیں تھا، اسی طرح یہ قدرت ہی کی طرف کی بات تھی کہ جس قوم میں وہ پیدا ہوا اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا، وہ اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی طبیعت، اپنی قوم سے کیا لیتی، جب کہ خود ان ہی کے پاس کچھ نہ تھا، اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی ان کے اندر کی بھی کیفیت تھی بلکہ شاید ان کے دل ان کے پہاڑوں سے زیادہ سخت، ان کے دماغ ان کے میدانوں سے زیادہ چٹیل تھے، الغرض ان کی صحبتوں میں رہنے والوں کے اندر سنواسے زیادہ

بگاڑ پیدا ہوتا تھا، ابھرنے سے زیادہ ان میں سپنے والے ٹھہرتے تھے۔

تاہم وہ آدمی ہی تھے، اور مکہ بادیہ نہیں ایک شہر تھا، مانا کہ اس میں مدرسہ نہ تھا، اسکول نہ تھا، کالج نہ تھا، یونیورسٹی نہ تھی، سوسائٹی نہ تھی، کلب نہ تھا، ہال نہ تھا، صنعتی کارخانے نہ تھے، علمی معہد، کوئی باضابطہ سیاسی ادارہ نہ تھا، لیکن پھر بھی وہ شہر تھا، اس میں شہریت کے کچھ لوازم تھے، ایک معبد تھا جس کی زیارت کے لئے اطراف واکناف سے مسافر وہاں آتے تھے، شمالی وجنوبی کاروانی راستوں کی شاہراہ پر وہ واقع تھا۔

ایامِ طفولیت اور شغلِ گلہ بانی

شہر کی اس مٹی کو بھی توڑنے کے لئے غالباً یہ غیبی سامان تھا کہ جب تک ان سے آپ کچھ لے سکتے تھے، اس عمر تک خانگی حالات کی مجبوریوں نے شہر اور شہریت سے جدا کر کے آپ کو جنگل پہنچا دیا، بجائے آدمیوں کے چراگاہ کے چرندے آپ کے ساتھی ٹھہرائے گئے، مشغلہ تجارت میں مشغول ہونے سے پہلے تقریباً بائیس تیئس سال کی عمر تک آپ کے اوقات کا یہی نظام تھا کہ صبح ہوئی گھر گھر سے بکریوں کے منڈوں، اونٹوں کے گلوں کو ساتھ لئے بہت دور صحرا میں چلے جاتے، شام ہوئی، سب کے گھروں کے مویشی پہنچا دئے گئے، گھر پہنچے جو کچھ دیا گیا، کھا لیا، اور تھکے ہوئے گلہ بانوں کی طرح نبی نوع انسان کا یہ سب سے بڑا گلہ بان سو جاتا تھا شہر میں کیا ہوتا ہے، کون آتا ہے، کون جاتا ہے، شاید ہی اس کی خبر کبھی ملتی ہو، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گلہ بانی کی اس پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ جیسا کہ عمر کا تقاضا ہے، کسی برات کے تماشا دیکھنے کا خیال پیدا ہوا شاید اس شوق میں چراگاہ سے سویرے واپس آگئے، شام ہوئی، ضروریات سے فارغ ہو کر صاحب تقریب کے مکان پر پہنچے، برات کی دھوم دھام ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ چراگاہ کی تگ ودو کی

استعارہ

ماندگی نے تھپکیاں دے کر سُلا دیا، آنکھ کھلی تو تماشے ختم ہو چکے تھے اور مشرق کا رقاص افق عالم پر ناچتا ہوا اپنا تماشا پیش کر رہا تھا، دھوپ نکل چکی تھی۔

یہ حال تو اس وقت کا ہے جب اپنی قوم سے آپ کچھ لے سکتے تھے، لیکن جب قدرت نے اس کو جس نے، جس کے دماغ نے، جس کے قلب نے، جس کی عقل نے، جس کی طبیعت نے محسوس قوتوں میں سے کسی سے قطعاً کچھ نہیں لیا تھا، اسی کو ساری دنیا میں ان سب چیزوں کے بانٹنے پر مامور کیا، جو آج تک کسی کو کسی سے نہ ملا تھا، اور نہ آئندہ مل سکتا ہے، جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا:۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے" لیکن جب وہ فارقلیط (احمدؐ) آئے گا، تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا"۔ (یوحنا باب ۱۶-۱۳)

ظاہر ہے کہ فرض کے اس منصب پر قیام کے بعد اس کی قوم کا اس کے ساتھ جو سلوک شروع ہوا، ایسی صورت میں ان سے اس کو کیا مل سکتا تھا، جب وہ اس سے اس کی ہر چیز بلکہ جان تک چھیننے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے، پھر جس کو اپنی قوم سے کچھ نہیں ملا نہ علم ملا، نہ عمل ملا، کہ اس سے تو وہ خود کورے تھے، لیکن اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے ان میں جو قومی حمیت اور خاندانی غیرت کا جاہلانہ جوش تھا، دیکھو تو وہ اس سے بھی محروم کیا گیا، لیکن کیا اس نے علی رؤس الاشہاد خود اپنی ہستی کی شہادت سے یہ ثابت کر کے نہیں دکھایا کہ نہ اس کو ملتا ہے جسے قوم چاہے، اور نہ اسی کو ملتا ہے جو قوم سے چاہے، بلکہ جن کا سب کچھ چاہا ہوا ہے، جس کسی کو جو بھی ملتا ہے اسی کے چاہنے سے ملتا ہے۔ کون شک کر سکتا ہے کہ اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل وہ خود تھا، اسکی

زندگی تھی۔

حجر اسود کا جھگڑا: مگر باایں ہمہ قوم سے اسی وقت تک جدا رہتا تھا، جب تک ان کے احسان کا موقع ہوتا، لیکن اسی کے ساتھ یہ عجیب بات ہے کہ جوں ہی قوم پر احسان کرنے کی کوئی گھڑی آئی لوگوں نے اس کو اس کی قوم میں ملا ہوا، اور کھڑا ہوا پایا، حجر اسود کے فتنہ میں قریب تھا کہ قریش اپنے امن وعافیت کے آبگینہ کو چکنا چور کریں، لیکن دیکھو! بیابان میں انسانوں سے جدا ہوکر چوپایوں کے ساتھ رہنے والا آتا ہے، اور جو درندوں کے مانند ٹھیک درندوں کے مانند ایک دوسرے کی بوٹی نوچنے والے تھے، ان بھٹکنے والوں کو کتنی آسانی کے ساتھ جوڑ دیا، آڑے وقتوں کے یہی تجربات تھے، جس نے باوجود الگ تھلگ رہنے کے اس کی قوم جیسے سنگین دلوں پر اس کے امین وصادق ہونے کا نقش کندہ کر دیا تھا، تاکہ کہنے والے کی وہ بات پوری ہو جو صدیوں پہلے کہی گئی تھی:۔

"وہ امین صادق کہلاتا ہے اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا" (مکاشفہ یوحنا باب ۱۹-۱۱)

یوں ہی وہ اپنی زندگی کی مختلف منزلوں میں پدری قوت، مادری قوت، خاندانی قوت، وطنی قوت، قومی قوت، ہر ایک کو بڑے زور سے توڑتا، پھوڑتا، جھٹکتا ہوا مسلسل چلا آیا۔

مگر اب جو دعوے سے پہلے اس کی دلیلوں کی تعمیر میں ردوں ردے جماتا چلا آ رہا تھا ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سب کو حیرت تھی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

نکاح: تم دیکھ چکے ہو کہ اتنی عمر میں دنیا کے نوجوان جو کچھ حاصل کر لیتے ہیں اس نے کچھ حاصل نہیں کیا تھا، اور جس کو انسانوں سے زیادہ حیوانوں میں رہنا پڑا ہو، محسوس ومرئی قوتوں کے اسیروں کی نگاہیں آخر اس میں کیا پا سکتی تھیں، جس کی وہ قیمت لگاتے۔

یہ سچ ہے کہ اس کا خاندان عالی اور بلا مبالغہ اتنا عالی تھا کہ ایسی بزرگی و شرافت بنی آدم کے کسی گھرانے کو میسّر نہ آئی، اس وقت ہی نہیں بلکہ اس وقت بھی زمین کی آبادی کا تقریبًا دو ثلث حصّہ اسی دودمانِ عالی کے نفوسِ قدسیہ کی حلقہ بگوشی پر ناز کر رہا ہے، مسلمانوں کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ دنیا کے سارے یہودی و نصرانی اپنی ساری بزرگیوں، اور شرافتوں کو اسی کے جدِ اکبر ابراہیم علیہ السلام پر ختم کرتے ہیں پھر ابراہیمؑ کے بچوں میں بھی جو بچہ کسی معمولی عراقی عورت کے بطن سے نہیں بلکہ شہنشاہ مصر کی صاحبزادی سے پیدا ہوا تھا، اور جو ابراہیمؑ و ہاجرہؓ دونوں کے دکھ کی آواز کا لاہوتی جواب تھا جس کا نام ہی اسمٰعیلؑ (اللہ کا سنا ہوا) تھا، وہی جس کو کعبہ کے ربّ نے قبول کیا، اور جس کی بنیاد پر ابراہیمؑ کو دنیا کی امامت کا منصب جلیل عطا ہوا، وہ اس آنے والے کا دادا تھا جو دنیا میں بڑی شان سے آ رہا تھا۔

خاندان کی اس عالمگیر برتری کے سوا، خود عرب کے جزیرہ نما میں قریش والوں سے نسبًا کون اونچا تھا، اور قریشیوں میں بھی قصیؔ و ہاشمؔ کے گھرانے کو سب کے سامنے اپنی بے نظیر خدمات کے صلہ میں عزت و کرامت کا جو مقام حاصل ہوا تھا، عرب میں کون تھا جو اس کی برابری کر سکتا تھا، کندھا ملانے کی کوششیں ضرور جاری تھیں، لیکن ان کے دوش کی بلندیوں تک، اس وقت تک کس کا دوش پہنچا تھا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن نقد پرستوں کے جس گروہ سے اس وقت سابقہ تھا ان کی کوتاہ نگاہوں، اور تنگ ظرفوں کے آگے ماضی کے اس ادھار عظمت کی کیا قیمت تھی؟ جس بچے کا باپ بھی نہیں ہے ماں بھی نہیں ہے، دادا بھی نہیں، سرپرستوں میں اگر کسی ایک دو چچا کا نام لیا جاتا ہے، تو وہ بھی اپنی معاشی بدحالیوں میں الجھا ہوا ہے، ڈگریوں کا ذخیرہ

وہ زمانہ نہ تھا، لیکن سرمایہ اور صلاحیتوں کا سوال تو ہر زمانہ میں رہا ہے، اس وقت بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ جس نے اپنی پوری زندگی بیابان میں بکریوں کی رکھوالی، اور اونٹوں کی شبانی میں صرف چند قراریط پر گزاری تھی، اس کی طرف وہ نگاہیں کس طرح اٹھتیں جن میں مادیات ومحسوسات کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہ تھی، وہی جو کسی نادیدہ حسن ظن یا گمان پر دیدہ کے یقین کو کسی طرح قربان کرنے کے لئے تیار نہ تھے، انھوں نے اگر اس میں "صداقت" و "امانت" کی کرنیں پائی بھی تھیں تو کیا وہ اس "صداقت" اور اس "امانت" پر دولت و ثروت کی خواہش کو ذبح کرنے کی سکت رکھتے تھے؟ جاہل غریب بت پرستوں سے اس کی کیا امید کی جاسکتی ہے، جب خدا پرستی، صداقت شعاری کے تعلیم یافتہ مدعیوں کو بھی ہم اپنے سامنے اس حال میں پا رہے ہیں جس میں شاید عرب کے یہ اجڈ گنوار بھی غالباً مبتلا نہ تھے۔

مگر وہی بات جس کی دلیل ہمیشہ دعوی کے آگے آگے چلی آرہی تھی، یہاں بھی اچانک وہی دلیل ایک عجیب شان میں دفعۃً چہرہ پرواز ہوئی۔

عرب حجاز کا سب سے بڑا امیر شہر مکہ تھا، اور مکہ کے تمام امیروں کے پاس مجموعی طور پر جو کچھ تھا انفرادی طور پر اسی قدر دولت کی مالکہ اس شہر کی وہ بزرگ بی بی تھیں جن کا اسم گرامی "طاہرہ" اور "خدیجۃ الکبریٰ" (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھا، گویا اس حساب سے صرف مکہ کی نہیں بلکہ سارے حجاز کی سب سے بڑی دولت مند خاتون آپ تھیں، قدرت کی یہ عجیب کارفرمائی تھی کہ چند پیسوں کے لئے جس کو دن دن بھر ببولوں کے کانٹوں اور راہ گھاس کے گھانسوں کی تلاش میں جنگل جنگل پھرنا پڑتا تھا، اسی کو خدیجہؓ اور خدیجہؓ کے پاس جو کچھ تھا سب ولا کر جسے لوگوں نے سب سے نیچا خیال کیا تھا سبھوں سے اونچا کر دیا، تاکہ پھر ثابت ہو کہ امیری کے چاہنے والے اور اس کے لئے زمین کے قلابے آسمانوں سے ملانے والے امیر

دیکھو سیرۃ شبلی مرحوم ذکر خدیجۃ الکبریٰ ؓ ص ۱۴۲۔

نہیں بنتے، بلکہ امیر وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں لوگوں کی امیری بھی ہے، اور غریبی بھی، جس دعویٰ کو وہ لے کر حرا سے بعد کو آیا، دیکھتے جاؤ کہ کن پیکروں میں اس کی دلیلیں کہاں کہاں ابل ابل کر جریدۂ عالم پر ثبت ہو رہی ہیں۔

ایسا دعویٰ کس نے سنا، اور ایسی دلیل کس نے دیکھی، دعویٰ سنایا گیا اور دلیل دکھائی گئی، عالم استدلال و برہان کی قطعاً یہ انوکھی چیز ہے (صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ) اور دیکھو کہ اسی کے ساتھ ایک روشنی ہے جس میں پڑھنے والے چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں کہ آئندہ جو جنبش ہوئی وہ اس سے نہیں ہوئی کہ افلاس نے کسی کو مضطرب کیا ہے، ناداری سے کوئی تڑپا ہے۔

خلوت پسندی | بہرحال امیری جب آتی ہے تو اپنی شانوں کے ساتھ آتی ہے، ٹھاٹھ کے ساتھ آتی ہے، باٹھ کے ساتھ آتی ہے، لیکن جس کو قصر میں براجنے کا موقع دیا گیا، تلاش کرو! وہ ویرانوں میں ملے گا، مکہ کے رئیس اپنی کوٹھیوں میں ہیں اور طائف کے امرا پھلوں اور پھولوں سے لدے باغوں اور ان کے بنگلوں میں ہیں، لیکن جو سب سے بڑی امارت کا مختار کل اور متصرف مجاز ہے وہ پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں ہے، پھر جو سرمایہ اس کو ملا، کیا وہ مہاجنی کے بانا ریوں میں ہے؟ رشتوں کو جوڑا گیا، مہمانوں کو کھلایا گیا، بے کاروں کو کموایا گیا، بار والوں کا بوجھ ہلکا کیا گیا، ناداروں کو سنبھالا گیا، بیت کی گھڑیوں میں لیا گیا، یہ حضرت خدیجہ ہی کی رپورٹ ہے جس میں ان کی دولت کام آئی[1]۔

پھر جوانی میں چھوٹا تھا، وہ بڑا ہو چکا تھا، مال میں بڑا ہو چکا تھا، جاہ میں بڑا ہو چکا تھا، اور اپنے ہم چشموں، ہم عصروں، ہم زادوں سب سے بڑا ہو چکا تھا، آخر اس سے زیادہ بڑائی کس کو حاصل تھی، کالے پتھر کے لئے سرخ خون کی جو ندی بہنے والی تھی، جس کے اکیلے ہاتھ نے

[1] بخاری وغیرہ کتب صحاح ۱۲

اس طوفان کا رخ پلٹ دیا تھا، جس کے گھر کا مہمان ہمیشہ اکرام کے ساتھ واپس ہوا، جس کے دامن دولت کے نیچے یتیموں کو پناہ ملی، جو بے روزگاروں کو روزگار دلانے کا روزگار کرتا تھا، جو بے ہنروں کو ہنر سکھواتا تھا، بھاری بوجھ والوں کا بار اٹھاتا تھا، وہ آڑے وقتوں میں آڑے آتا تھا، جو کچھ قدرت نے اس تک پہنچایا تھا جوان کو ان ہی راہوں میں بہاتا رہا۔..........

جس نے نیکی کی اتنی پیچ در پیچ شاخوں میں اپنا سارا سرمایہ ساری توانائی لگا دی تھی، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد شہرت وصیت، جاہ وجلال کی جو بلندیاں اسے میسر آئیں، ایسی برتری ان میں کس کو نصیب ہوئی تھی، مال وثروت کے ریلیوں یا مندروں میں "صدق" و "امانت" جیسے صفات کی، مانا کہ پرستش نہ ہوتی ہو، لیکن کیا جاہ کے اکھاڑوں میں کردار کی ان قوتوں سے بازی نہیں جیتی جاتی؟ اور بلاشبہ وہ صرف اپنے شہر میں نہیں.....

..... بلکہ اس شہر میں جہاں جہاں کے لوگ آتے تھے، اور کون بتا سکتا ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ آتے تھے، زیارت کے لئے بھی آتے تھے اور تجارت کے لئے بھی آنے جاتے تھے، ان سب علاقوں میں، خطوں میں، بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ملکوں میں بھی، ان ہی کی راہوں سے اس کا نام اونچا ہو چکا تھا، جاہ کے لئے اس وقت جو کچھ سوچا جا سکتا تھا یقیناً وہ سب اس کو حاصل ہو چکا تھا، اور ملی بڑائی میں جس کنگرہ پر اس کی برتری کا پھریرا اڑ رہا تھا اس کا تماشا تم کر چکے ہو۔

پس جو چیز اسے محلوں میں مل چکی تھی، کتنی بڑی بے ایمانی، اور کیسی گندی اور سیاہ کورباطنی بے بنیاد بداندیشی ہو گی کہ اسی کا بہتان احمد پر لگایا جائے، جب وہ ہفتوں، عشروں، غاروں میں دن ہی نہیں بلکہ ڈراونی اور بھیانک راتیں گذارتا تھا۔ سانپوں اور بچھوؤں، درندوں، اور موذیوں سے بھرے ہوئے پہاڑوں اور ٹاپوؤں میں اس کو ان ہی چیزوں کے لئے

جانے کی کیا ضرورت تھی جو مخملی طنفسوں[1] ریشمی قالینوں، عبقری گدوں، مزرکش جھپر کھٹوں پر بے فکر و تردد اگر وہ چاہتا تو یہ آسانی یوں بھی مل سکتی تھی) اور وہ تو ملی ہوئی تھی، لیکن اس نے بجائے ایرانی زرابی، رومی نمارق کے زمین اور کھلی زمین کے پتھریلے فرش کو اپنا بچھونا اور خارا پتھروں کو اپنا تکیہ بنایا۔

بی بی کی عصمت کا پتہ بیچارگی میں نہیں چلتا، چارہ ہو اور عصمت ہو، عصمت اسی کا نام ہے، خاک کے فرش کے سوا جس کے پاس کوئی فرش نہیں، وہ اگر خاک پر سویا تو کیا خاک سویا، جو تخت پر سو سکتا تھا، وہ مٹی پر سویا، اسی کا سونا ایسا خالص سونا ہے جس میں کھوٹ نہیں ہے، اور یہ تو اس امتحان گاہ کی جس میں اب وہ اُتارا جاتا ہے، پہلی منزل ہے، جانچنے والے جانچ لیں، پرکھنے والے پرکھ لیں اور جس طرح سے جن جن امکانی شکلوں سے چاہیں جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر لانے کی کوشش کریں۔

اپنے اپنے معیاروں کو لے کر آؤ اپنی اپنی کسوٹیوں کو لے کر دوڑو اور کسوا کس کر دیکھو کہ جس کو قدرت کے ہاتھوں نے خالص اور آلائشوں سے قطعاً پاک بالکل صاف پیدا کیا ہے، صداقت و راستی، امانت و اخلاص کے سوا اس میں کوئی اور چیز بھی ہے، خوب کفگیریں مار مار کر دیکھو کیا اس دیگ کا کوئی چاول کچا ہے، روشنی کی جو کرنیں اس کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر دنیا کو جگمگا رہی ہیں، گھورو، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورو اور دوربینوں کو آنکھوں پر چڑھا چڑھا کر گھورو، تاریکی کا اس میں کوئی ریشہ ہے؟

بی بی مان لینے کے بعد کس کی ہمت تھی کہ اس "قدوسی سرشت" کے امتحان کا اندیشہ بھی کرتا،

---

[1] طنفس، عبقری یہ عربی زبان کے عام الفاظ ہیں جو جاہلیت میں مروج تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی چیزیں جاہلی تمدن میں پائی جاتی تھیں، طنفسہ زرابی مختلف اقسام بچھانے کی چیزیں نمارق تکئے، قرآن میں بھی ان الفاظ کا ذکر آیا ہے۔

یہی مصلحت تھی کہ ایک مہینہ نہیں، دو مہینے نہیں، سال دو سال بھی نہیں بلکہ تم میں کون نہیں جانتا کہ مکی زندگی کے پورے تیرہ سال اس حال میں اسی کو گذارنے پڑے کہ گویا اس کو کوئی نہیں جانتے گا، گویا اس کو کوئی نہیں مانے گا، حالانکہ پھر اسی کو نہیں بلکہ اس کے ان کفش برداروں نے تقریباً اسی بارہ تیرہ سال کی مدت میں عرف جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب، ایشیاء و افریقہ کے لاکھوں میل کے رقبوں کو لپیٹ کر رہا کروڑ انسانوں سے بھر دیا کہ گویا ان میں کوئی انکار کرنے والا بھی نہیں، فاروق (رضی اللہ عنہ) ہی کے پندرہ سالہ عہد حکومت تک پہنچتے پہنچتے ایسا ہو گیا جیسا کہ حبقوق نبی نے صدیوں پہلے کہا تھا :-

"آسمان اس کی شوکت سے چھپ گیا، اور زمین اس کی حمد سے بھر گئی، وہ کھڑا ہوا اس نے زمین کو لرزا دیا، اس نے نگاہ کی، اور قوموں کو پراگندہ کر دیا، قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے، پرانی پہاڑیاں اس کے آگے ریزہ ریزہ ہو گئیں زمین مدیان[1] کے پردے کانپ جاتے تھے"

ابتداء وحی| اب دیکھو! خلوت کی اسی زندگی سے وہ ایک بڑے دعوے کو لے کر آتا ہے ٹھیک اسی طرح آتا ہے جیسا کہ سلیمان نبی نے کہا تھا :-

"وہ میرے محبوب کی آواز دیکھو، وہ پہاڑوں پر سے کودتے، ٹیلوں پر سے پھاندتے آتا ہے" (غزل الغزلات باب ۱)

اور پہاڑ سے اتر کر دنیا کے آگے اس نے حیرت سے بھرے ہوئے اس تجربہ کا اعلان کیا جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا تھا :-

---

[1] مدیان اور مدیانی بائبل کی زبان میں مکہ والوں کو کہتے ہیں۔
دیکھو القول الصحیح للعلامۃ الاستاذ الفراہی رحمہ۔

"ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ، اور وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں، پڑھ نہیں سکتا۔" (یسعیاہ باب ۲۹)

سمجھنے والوں نے سمجھایا نہیں سمجھا، مجھے اس سے کیا بحث، لیکن بخاری میں ہے حراء کے کھوہ میں اس کے سامنے سب سے پہلے "فجئہ الحق"[1] کا نظارہ اسی طرح بے نقاب ہوا، جس طرح پہاڑی کے ہرے بھرے جھاڑ کی شاداب آگ سے:۔

"انّی انا اللہ لا الٰہ الّا انا" ہاں میں ہی اللہ ہوں، کوئی معبود نہیں ہے لیکن میں ہی کی سرمدی گونج اس طرح گونجی کہ سننے والا نہیں بتا سکتا تھا کہ کدھر سے گونجی، لیکن گونجی اور اسی آگ سے گونجی، حضرت موسٰیؑ کو یوں ہی محسوس ہوا، اور یہ تو قرآن میں ہے، غیر قرآنی یادداشتوں میں آیا ہے کہ پیپل کے سایہ میں جو مایوس بیٹھا تھا، گیا کا وہی شاکیہ منی یہ کہتا ہوا اچھلا:۔

"پا گیا، پا گیا، اسے تجھے نہیں کھوؤں گا، جی گیا، جی گیا، اب کبھی نہیں مروں گا۔" (او کما قال)

خدا ہی جانتا ہے کہ بدھ کیا تھا، کون تھا، اور اس نے کیا کہا تھا، لوگوں نے کیا سنا لیکن بھولے بسرے افسانوں میں ذکر چلا آتا ہے کہ کچھ اسی قسم کے الفاظ بولا،

بہرحال "حق" کے اس تجلی اور اچانک نمود کے بعد بخاری ہی میں ہے:۔

کہ "فجاءہ الملک" "تب فرشتہ آیا"

---

[1] بخاری میں ابتداء وحی کی جو حدیث ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غار حرا میں پہلے آپ کے سامنے اچانک حق نمودار ہوا، یہ "فجئہ الحق" کا ترجمہ ہے اس کے بعد "فجاء الملک" تب فرشتہ آیا، عام شارحین بخاری نے دونوں کا حاصل ایک ہی قرار دیا ہے، یعنی اس حق کی جو اچانک نمودار ہوا تھا فرشتہ کا آنا تفسیر ہے لیکن دو مستقل واقعات کو ایک ٹھہرانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ۱۲۔

ملک ہی حق تھا، اور حق ہی ملک تھا، جو یہ کہتے ہیں، اب ان سے میں کیا کہوں جس نے چکھا اسی نے جانا، ہم نے نہ چکھا، اور نہ ہم جان سکتے ہیں، ہمارے سامنے تو دعویٰ پیش ہوا، بڑا عجیب و غریب دعویٰ، دل دہلانے والا دعویٰ، جو دیکھ نہیں سکتے انہیں کیسے دکھایا جا سکتا تھا، نابیناؤں کے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ بیناؤں کی سنیں، بخت کا چھوٹا وہ ہے جو خود بھی نہیں دیکھ سکتا، اور دیکھنے والوں نے جو دیکھا ہے یہ بدنصیب اس کے سننے سے بھی پیٹھ پھیرتا ہے، گردنیں موڑتا ہے۔

لیکن جاننے سے پہلے کون مان سکتا ہے، جانو تب مانو! پہچانو تب جھکو! یقین کی فطری راہ یہی ہے، تم آفتاب ہی کو نہ دیکھو! یہ تمہارے بس میں ہے، لیکن جو سورج کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اپنی ایک پلک کو دوسری پلک سے اگر جدا کر لیا تو اب اس کے قابو میں ہے کہ وہ آفتاب اور اس کی چمک کو جھٹلائے؟ آگ کے چھونے پر کوئی مجبور نہیں ہے، لیکن چھونے کے بعد گرمی کے ماننے سے کون گریز کر سکتا ہے؟

بجنسہ کچھ اسی طرح دیکھو کہ حرا کے دامن سے صدق و امانت کا آفتاب چڑھا، چڑھ کر انسانیت کے اس حاسہ کے سامنے آ کر ٹھہر گیا جس سے سچ جانا جاتا ہے، ممکن ہے کہ جس طرح لاکھوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو بینائی کی فطری قوت سے محروم ہو، یا شنوائی کا حاسہ اس سے مسلوب ہو، لیکن سب اندھے ہوں، سب بہرے ہوں جس طرح یہ ناممکن ہے، اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ آدمی ہو، اور اس میں "سچ" اور "سچائی" کے یافت کا حاسہ نہ ہو، "یہ ڈاکٹر ہے" اور وہ ڈاکٹر نہیں ہے" اسی فیصلہ پر جانیں سپرد کی جاتی ہیں، آنکھوں میں نشتر چبھوائے جاتے ہیں۔

اس ٹرین کو سب نہیں ہنکاتے ہیں جو ہیا بانوں میں چلتی ہے، چڑھاؤ پر چڑھتی ہے،

ذخائر اور خونی دریاؤں کے پلوں سے گذرتی ہے، فیصلہ کی وہی قوت جو ڈرائیور کو
غیر ڈرائیور سے، شوفر کو غیر شوفر سے جدا کرکے ہم میں یہ اطمینان پیدا کرتی ہے کہ اپنا
سب کچھ سونپ کر ہم اپنے کو، اپنے بال بچوں کو اپنے مال و اسباب کو ریل کے ڈبوں
میں ڈال دیتے ہیں "سچ" کو جھوٹ سے اگر جدا کرنے کا حاسہ ہم میں نہ ہوتا تو ڈاکٹر
اور ڈرائیور کیا؟ زندگی کے کسی شعبہ کی گاڑی ایک سکنڈ کے لئے بھی چل سکتی ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ سلبی یا ایجابی کون سی شکل باقی رہی، جس "معیار" پر
"سچائی" کی یہ لاہوتی حقیقت نہ پرکھی گئی "زر" لے کر دوڑے "زمین"، لیکر دوڑے
"زن" لے کر دوڑے، الغرض جو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔ ہر ایک سے رگڑ رگڑ کر
گھس گھس کر انہوں نے جانچا، لیکن "صدق" و "امانت" کے احساس کی وہی گرفت
جو دعویٰ سے پہلے ان کے دلوں پر مسلط تھی کسی تدبیر سے ڈھیلی نہیں پڑتی تھی، اس
میں کیا ہے؟ اس کے اندر کیا ہے؟ مال ہے، جاہ ہے، یا کچھ اور ہے، ہر سوال
کی سلائیاں، لمبی لمبی سلائیاں ڈال ڈال کر ہر ایک نے دیکھا، بار بار دیکھا، لیکن
"سچ" کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے، اخلاص کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے، ہر آزمائش
ہر جانچ کا آخری نتیجہ یہی برآمد ہوا، جانچ کی یہ ایجابی شکلیں تھیں اس راہ سے انہیں
کچھ نہیں ملا۔

اب وہ منفی و سلبی تدبیروں کے متعلق باہم ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے "دارالندوہ"
کی مجلسی سرگرمیاں جتنی اس وقت تیز ہوئیں اس کی تاریخ میں ایسی گرم بازاری اسے کبھی
نصیب نہیں ہوئی تھی۔

مسلو! اس کے باطن کو مسلو! متھو! اس کے اندر جو کچھ ہے سب کو متھو ڈالو!

دلو! اور جس جس حلق سے جو کچھ ممکن ہے سب کچھ کر گذرو! قدرت نے اس کا بھی ان کو وسیع موقع بغیر کسی مزاحمت کے بڑی فیاضی کے ساتھ، اتنی فیاضی کے ساتھ جس کی نظیر حق و راستی کے تجربہ کی تاریخ میں قطعاً مفقود ہے عطا فرمایا۔

جو کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا، اور جب اجازت ہو گئی تو کیا کر گے اسی نے نہیں دکھا دیا وہی اس وقت سکون تام، صبر مطلق کا ایک کامل مجسمہ بن کر لینے کو، اپنے ظاہر و باطن کو ان میں ہر ایک کے آگے ڈالے ہوئے تھا۔

حلاج کی اس راہ میں پھر کیا کیا پیش ہوا بجز اس کے جس جس اسی درجہ کا صدق ہو جو اس میں تھا، اسی درجہ کی امانت ہو جو اس میں تھی (اور یہ مقام نسل آدم میں کسی کو میسر آسکتا ہے؟) ان کو کون جھیل سکتا تھا؟

تعذیب صحابہؓ | اس کے لاوارث بیکس ساتھیوں پر پہلے انہوں نے ہاتھ چھوڑا، اور اس طرح چھوڑا کہ جبر و ستم کا کوئی ایسا دقیقہ نہ تھا جسے انہوں نے رکھ چھوڑا، دہکتے ہوئے کوئلوں پر زندہ کھال والی پیٹھیں، ننگی پیٹھیں لٹائی گئیں، جلتی ہوئی ریت پر جانداروں کو سلایا گیا۔

کتے جب مر جاتے ہیں تب ان کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر مہتر گھسیٹتے ہیں لیکن قریش کے مہتروں میں ایسے مہتر بھی تھے جنھوں نے جیتے جاگتے آدمیوں کے گلے میں رسیاں باندھیں اور مکہ کی گلیوں میں ان ہی رسیوں کے ساتھ وہ گھسیٹے گئے، گرم پتھروں پر کھلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار کر "سچ" کو چھوڑ کر جھوٹ بولنے کے لئے تڑپائے گئے، تلملائے گئے، چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے تیز و تند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا، جن پر یہ گذر رہی تھی ان کا جو کچھ امتحان تھا، ظاہر ہے لیکن واقعہ یہ ہے جس ندف و رحیم فطرۂ طیبہ

میں جنبش پیدا کرنے کے لئے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، اس کے صبر مطلق اور سکون تام کے لئے یہ بڑا اور سخت کڑا امتحان تھا، اس کے سوا جو وہ اپنے اندر رکھتا تھا اگر کسی چیز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو اس کے لئے اس کے رقیق قلب، گداز دل کے لئے یہ منظر قطعاً ناقابل برداشت تھا لیکن سب کچھ ہلا دیا گیا اور پوری طاقت کے ساتھ ہلا دیا گیا۔ مگر جو "سچائی" کی چٹان پر بٹھایا گیا تھا، بجز آنکھوں میں آنسو بھر لانے کے اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی، بوڑھی غریب بیکس عورت کے سر پر انگارے رکھے گئے، اس کے سامنے اس کے شوہر کے سینہ میں برچھا بھونکا گیا، حضرت عمار کی والدہ اور والد کی اس جگر شگاف حالت کو دیکھ کر زبان میں اضطراراً حرکت پیدا ہوئی لیکن اس حرکت میں جو آواز آئی وہ صرف یہ تھی :-

"عمار کے گھر والو! اللہ تم پر رحم فرمائے تنگی کے بعد کچھ دور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فراخی پیدا کرے "

<u>ہجرت حبشہ</u> چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں جن میں وہ پناہ لیتی ہیں اور سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں جن میں وہ چھپ کر زک دینے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں لیکن دعوے کے زور کو توڑنے کے لئے ستم کے جو پہاڑ جن غریبوں پر توڑے جا رہے تھے ان کے پاس تو وہ بھی نہ تھا، ان میں بڑی تعداد ان غلاموں کی تھی جن کا نہ اپنا گھر ہوتا ہے اور نہ در یا ایسے تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے، جس پر سہارا ہو، جب وہی سہارا لینا کے ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو اب اس کے لئے کہاں پناہ ہے؟ اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ عرب کے اس ٹاپو کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں کسی اور جگہ اپنے سجدوں کے لئے جگہ پیدا کریں، اُف! کہ ان کی پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین پر زمین کا اتنا ٹکڑہ بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی پیشانی اپنے خدا کے آگے رکھ سکیں۔

اس کو اپنی جگہ سے ہلانے کے لئے، اس جگہ سے ہلانے کے لئے جس پر قدرت نے بٹھانے والے کو بٹھلایا تھا، دوسروں پر یہ دباؤ ڈالا جا رہا تھا، بالآخر اسی کو اپنے سینہ پر پتھر رکھنا پڑا اور اپنی چہیتی صاحبزادی اور محبوب داماد کو آمادہ کیا تاکہ دوسروں کو گھر مل سکے، اپنا گھر نعمتوں سے بھرے ہوئے گھر کو چھوڑ دو اجلا وطنی کے مصائب سے قطعاً ناواقف، نوجوان دولہے اور نویلی دلھن نے سر جھکا دیا، اور بن گھروں کو گھر دلانے کے لئے یہ گھر والا سمندر پھاند کر حبشہ پہنچ گیا، حضرت عثمانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا جو ان کی بیوی تھیں، ان کو اور مکہ کے غرباء، فقراء اور اسی قسم کے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر حبش پہنچے جن کے ماں باپ یا اعزا، اقربا، ایمانداروں کو بے ایمانی پر مجبور کرنے کے واقعات سے تو تاریخ بھری پڑی تھی۔ اس پر بھی بے ایمانوں نے پھیلایا کہ ایمان ہی جبر سے پھیلا، بہر حال اسی جماعت میں ابوطالب کے نوجوان صاحبزادے جعفر طیار بھی تھے، بڑی کشمکش ہوئی، یہ دکھانے کے لئے کہ جانچ کا کام جن کے سپرد تھا انھوں نے جانچنے میں کوئی کمی نہیں کی، پرکھنے کے اس معاملہ کو انھوں نے آخر تک پہنچایا تھا۔

یہ دکھایا گیا کہ امتحان لینے والوں کی اس جماعت نے سلطنتوں کی بھی پروا نہ کی ہاتھیوں والے بادشاہ کے شاہی دربار تک کے پردہ ہائے جلال کو چاک کرنے کی اگر اس راہ میں ضرورت پیش آئی تو وہ یہ بھی کر گذرے۔

جن کے انہماک و دلچسپی کا یہ حال ہو، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے آزمائش کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا؟ بادشاہتیں ختم ہو گئیں سلطنتیں مٹ گئیں لیکن تاریخ کے اس طویل عرصہ میں دنیا کی جو سلطنت اب تک اپنے پاؤں

جمکر رہے تھے، اور یہ پہلی دفعہ نہیں بلکہ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایمان پر کبھی جبر نہیں کیا گیا، لیکن بے ایمانی پر مجبور۔

پر قائم ہے[۱]، اور جس کو جیت کرنے کے لئے سائنس اور کیمیا کے ہتھیاروں سے اس وقت تک کوشش جاری ہے، لیکن دنگل میں ابھی تک وہ خم ٹھوک رہی ہے، اسی حبشہ کے تخت کا نجاشی اپنے وزیروں، امیروں، پادریوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا ہے، اور جو اللہ کے غلاموں کو اپنا غلام بنانے کے لئے آئے ہیں، اچھل رہے ہیں، کہ ان کی پیاسی تلواروں کے لئے اب خون دیا جائے گا، اور ان کے انگاروں کے لئے اب کباب مہیا ہوں گے

نجاشی کے دربار میں جعفر طیارؓ کی تاریخی تقریر

لیکن جونہی کہ وہ نوجوان اس کے سامنے ان دیکھی قوت کے ساتھ اٹھ کر کہتا ہے:-

"سن! اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں غوطے کھا رہے تھے، ہم پتھر کی کھودی ہوئی مورتوں کے آگے جھکتے تھے، ہم مردار کھاتے تھے، ہم بے حیائیوں سے لت پت تھے، ہم رشتوں ناطوں کو کاٹتے تھے، ہم اپنے پڑوسیوں کے لئے صرف دکھ اور رنج تھے، زور والے ہمارے بے زوروں کو نگلتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ہم میں اللہ نے اپنے پیغامبر[۲] کو اٹھایا، جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں جس کی سچائی کا، صدق کا، امانت کا، پارسائی کا ہم سب کو تجربہ ہے"!

اسی نے ہمیں اللہ کی طرف پکارا، اور حکم کیا کہ ان ساری گندگیوں ان سارے جھوٹے پتھر کے

---

[۱] افسوس ہے کہ جس وقت یہ مضمون لکھا جا رہا تھا، اس سلطنت کا یہی حال تھا، لیکن جو مظلوموں کو پناہ دے کر چودہ سو سال تک قدرت کی پناہ میں آ گئے تھے، ان کے ایک بادشاہ نے ظلم کیا صرف اس لئے ظلم کیا کہ حبشہ کے تخت کا وارث بجائے تین خداؤں کے ایک خدا کا بندہ ہو چکا تھا یا ہو رہا تھا، غریب منی لک جو سلطنت کا اصلی وارث تھا، اسلام کے جرم میں تخت سے محروم کیا گیا۔ جیل میں ڈالا گیا۔ پہلا سلاسی نے اس کو بڑی کامیابی سمجھی، لیکن پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو بھی صبح کرنے کی اجازت نہ دی، ظالم پر ظالم مسلط کیا گیا۔ اور اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔۱۲

کھڑے ہوئے دیوتاؤں سے ٹوٹ کر جدا ہو جائیں جن کے ساتھ ہم پہلے لپٹے ہوئے تھے،

اے بادشاہ! اس نے ہم پر اصرار کیا ہے کہ جس کی امانت ہو اس کو واپس کر دیں، رشتوں اور برادریوں کو جوڑیں، پڑوسیوں سے حسن سلوک برتیں، اللہ نے جن باتوں سے روکا ہے، جس کے خون سے روکا ہے ان سے رک جائیں، بے شرمی کے کاموں، بیحیائی کے دھندوں کو چھوڑ دیں، اس نے ہمیں منع کیا ہے کہ بناوٹی باتیں نہ بنائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پاکباز عورتوں پر تہمت نہ جوڑیں۔"

(دہرا کے زور دیتے ہوئے) اس نے ہم کو حکم کیا ہے کہ ہم اللہ ہی کو پوجتے رہیں، کسی کو اس کا ساجھی اور شریک نہ بنائیں،

اور اس نے ہم پر یہ بھی لازم کیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور روزے رکھیں۔ پس ہم اسے سچا یقین کرتے ہیں، اس کی تصدیق کرتے ہیں، اس کی باتوں کو مانتے ہیں، جو کچھ اللہ کے یہاں سے لایا ہے، اس پر ہم چلتے ہیں (پھر پلٹ کر) اسی لئے ہم صرف اللہ ہی کو پوجتے ہیں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک و سہیم نہیں سمجھتے، اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہم نے بھی اس کو حرام کیا، جن چیزوں کو اس نے حلال کیا، ہم نے بھی ان کو حلال کیا۔

سناٹا چھا گیا، اپنی زمین کا سب سے بڑا مطلق العنان بادشاہ چیخ اٹھا، روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

"ایسوں کو کون دے سکتا ہے، ان کو کیسے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔"

جو لوہا گرم ہوا تھا جب اس کی گرمی کا یہ حال ہے تو جس نے اس کو گرم کیا تھا (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کی حرارت کون برداشت کر سکتا تھا، مگر وہی جنھوں نے چھوا نہیں تھا یا جو چھونے سے ہچکچا رہے تھے، ورنہ جنھوں نے چھو لیا تھا، دیکھ رہے ہو کہ آگ کسی

طاقت سے مجبور ہی ہے؟ غریبوں سے امیروں سے، شاہی قوت کے قوارے سے بجھانے کی کوشش کی گئی، لیکن بجائے بجھنے کے وہ اور بھڑکی، بجائے دبنے کے وہ اور پھیلی، اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ جاننے نہ جاننے، چھونے نہ چھونے، دیکھنے نہ دیکھنے کا سب کو اختیار ہے لیکن جس نے جان لیا، جس نے چھولیا، جس نے دیکھ لیا، نہ ماننا اس کے بس سے باہر ہو جاتا ہے، حقیقت کی گرفت سے اس کے بعد اپنے کو صرف وہی آزاد دکھا سکتا ہے جو گرفتار ہوتا ہے لیکن کسی باطنی شرارت کی وجہ سے دعویٰ کرتا ہے کہ میں آزاد ہوں، یہ ہٹ دھرموں کا گروہ ہے یہ ڈھٹائی والے معاندین و جاحدین کی جماعت ہے جو جھٹلاتی ہے، اور کسی باطنی خبث کی وجہ سے جان بوجھ کر جھٹلاتی ہے، مگر یہ لوگ وہ نہیں تھے جو جاننے ہی سے جان چرا رہے تھے، یا دیکھنے سے آنکھیں بیچ رہے تھے، بلکہ انھوں نے جاننے کے اختیار کو استعمال کیا، پھر ماننے سے کیسے باز رہ سکتے تھے،

جس نے سورج اور اس کی شعاعوں کو دیکھ لیا، کیا اپنی آنکھ سے ان کے احساس کو بوجھ کر محو کر سکتا ہے،

ذات مبارک کے ساتھ ایذا رسانیوں کا آغاز

بہر حال یہ تو ان کی جانچ تھی جو گرمائے گئے تھے، لیکن ان تمام گرمیوں کا جو حقیقی منبع اور ان کا گرمانے والا تھا، اب تک اسکے صرف ایجابی امتحانات تک بات پہنچی تھی، اس کو تو انہوں نے اس وقت تک دے کر جانچا تھا، جس طرح اس کے ساتھیوں سے لے کر، ان کی عزت و آبرو لے کر، ان کی جسمانی راحت و آرام کو لے کر، ان سے ان کے جینے کے حق کو چھین کر انہوں نے آزمایا تھا، "صدق" و "امانت" کے اس حقیقی سرچشمہ کے ساتھ آزمانے کی اس راہ کو اختیار کرنے سے کچھ جھجک رہے تھے، جس کا امتحان تھا، اگرچہ خود اس کو "دیدہ" اور "مرئی"

توڑنے سے انکار تھا، لیکن ان آزمانے والوں کی نگاہوں، تنگ نگاہوں میں تو بھروسہ
صرف وہی تھا جو سامنے ہو، بہرحال اس بھروسہ کی تعداد جتنی بھی تھی، لیکن جتنی بھی تھی،
جب اس میں سے اسّی نوّے فیصد آدمی نکل گئے تو ظاہر ہے کہ آزمانے والوں کے لئے راستہ بہت
کچھ صاف ہو چکا تھا، یہ صحیح ہے کہ جمہوریہ قریش کے بین الفرقی یا بین القبائلی قوانین کی رو سے
ابھی اس پر ہاتھ دراز کرنا آسان نہ تھا، جوان غلاموں، اور پردیسیوں، بے کسوں کی طرح
لاوارث نہ تھا، جن کے ساتھ ان ظالموں نے جور و ستم کی چاند ماری، ٹھنڈے سانسوں کے
ساتھ کھیلی تھی، وہ بنی ہاشم سے بھی دبتے تھے اور ان کے حلیفوں سے بھی شرماتے تھے جن کے
ساتھ ان کے "نشانہ" کا خاندانی تعلق تھا، تاہم زیادہ دن تک وہ صبر نہ کر سکے۔

ابوطالب کو توڑنے کی کوشش

اور اب سلبی آزمائشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، قریش کے گھاگھوں کی
مجلس نے طے کیا کہ اس کے لئے زیادہ لمبی چوڑی کوششوں کی حاجت نہیں
بلکہ ان کی ظاہری آنکھوں کے سامنے اس کی جو سب سے بڑی چٹان تھی، جس پر اگرچہ وہ خود
ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا، لیکن وہ یہی باور کرتے تھے کہ اس کی سب سے بڑی ٹیک اس کا چچا
ابوطالب ہے، طے کیا گیا کہ بس اسی چٹان کو جس طرح بن پڑے کسی طرح اس کے قدموں کے
نیچے سے سرکا لو، یقین تھا کہ اسی کے ساتھ وہ اور اس کا دعویٰ دونوں ہی منہدم ہو
جائیں گے، جو کچھ ممکن تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے کیا،

ابتداء میں انھیں کچھ مایوسیاں ہوئیں اور اچھی خاصی مایوسیاں ہوئیں، لیکن واقع میں
وہ کس پر کھڑا ہوا ہے، اس کے علمی شاہد کس طرح پیدا ہوتے، اگر ابوطالب اپنی چالیس سال
کی محنت و محبت کو برباد کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے، تاریخ نے اس دردناک مرقع کی تصویر محفوظ رکھی
ہے، جس وقت اپنے گود کے پالے ہوئے یتیم بھتیجے کو لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آبدیدہ

ہو کر ابو طالب کہہ رہے تھے :۔

"لا تحملنی مالا اطیق" — (مجھ پر اتنا نہ لادو جسے میں اٹھا نہ سکوں)

قریش کامیاب ہو گئے، چٹان لڑھک گئی لیکن قریش ہی نے نہیں بلکہ دنیا نے دیکھا کہ جس کو گرانے کے لئے یہ کیا گیا تھا وہ جہاں تھا، وہاں سے ہلا بھی نہیں، صرف آواز آ رہی تھی کہ کہنے والا کہہ رہا ہے :۔

"خدا کی قسم میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں میں ماہتاب اگر اس لئے رکھ دیا جائے کہ میں اس امر کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دوں، تو یہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ تو ان کی ایجابی کوششوں کی امید دبی چھپی چنگاریوں کو آخری طور پر بجھانے کے لئے فرمایا گیا اور اس کو تو وہ دیکھ بھی چکے تھے، آفتاب و ماہتاب تو ان کے پاس تھے نہیں، لیکن جو کچھ بھی تھا سب کو دے کر وہ مایوس ہو چکے تھے، باقی اب جن سلبی اور ایذائی مہموں کا انھوں نے آغاز کیا تھا اس کے متعلق بھی قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا گیا :۔

"یہ کام پورا ہو گا، یا میں اس میں مر جاؤں گا۔"

کام تو پورا ہی ہونے والا تھا اور اس میں شک کی گنجائش ہی کیا ہی تھی، لیکن دے کر تو تم دیکھ چکے، اب لے کر دیکھو! اچھی طرح دیکھو! اس سلبی امتحان کی راہ میں جان تک کی بازی لگا دی گئی، اور یہی مطلب تھا :۔

"او اھلك فیہ" (یا میں اس میں مر جاؤں گا یا مارا جاؤں گا)

سنگ دل، سیاہ سینہ جانچنے والوں نے پھر کیا اس سلسلہ میں کہیں رحم کھایا، جو کچھ کر سکتے تھے، سب کچھ کر رہے تھے، لیکن ان کا کہیں دل دکھا ہو، عزت پر، آبرو پر، جسم پر، جان پر، حملوں کی کوئی قسم تھی جس کو انھوں نے باقی چھوڑا، یقیناً ان کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا

جب چلنے سے رہ گیا، نکاح کی[۱] بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی، سر پر خاک ڈالی گئی، راہ میں کانٹے بچھائے گئے، پشت پر لید سے بھری ہوئی اوجھ نماز کی حالت میں رکھی گئی، چہرۂ مبارک پر بلغم تھوکا گیا، گردن مبارک میں پھندا لگایا گیا۔

شعب ابی طالب | اور آخر میں سب جانتے ہیں کہ کھانا بند کیا گیا، پانی بند کیا گیا، زندگی کے تمام ذرائع روکے گئے، ایک ماہ دو ماہ نہیں پورے تین سال تک ابی طالب کی گھاٹی میں اسی حال میں رہنے پر مجبور کیا گیا، خود ان کو مجبور کیا گیا، اور ان کے ساتھ بوڑھے ابو طالب اور معصوم بچے، ناتواں عورتیں جو بنی ہاشم اور چند دوسرے خاندانوں کی تھیں اسی حال میں ڈالے گئے۔

وہی فطرت رحیمہ ورؤفہ جو انسان تو انسان کسی جانور کے دکھ کو بھی دیکھ کر تڑپ جاتی تھی، اس کے لئے آزمائش کی کیسی کڑی گھڑی تھی، کہ ننھے ننھے بچے اس لئے بلبلاتے تھے کہ ان کی ماؤں کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے، آٹھ آٹھ دن دس دس دن سے ان کے منھ میں اڑ کر کوئی کھیل بھی نہیں پہنچی ہے، کیا سخت وقت ہے کہ پیشاب سے تر اور خشک چمڑے کو دھو کر بھون بھون کر ان کو کھانا پڑا، جن کے دانت نے شاید سوکھا[۲] گوشت کبھی نہیں چبایا تھا، جو نئے شاید بکریاں بھی شوق سے نہ کھاتیں، ان پر ہفتوں بسر کرنا پڑا، مصیبت کی ان چیخوں، تکلیف کی ان پکاروں میں اسی احساس فطرت طیبہ کے لئے کیسی عظیم بے چینی تھی، اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کے دل میں درد ہو، اور جو درد والوں کے لئے اپنے اندر کوئی

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دونوں لڑکوں سے ہو چکا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی، صرف آبرو ریزی کے خیال سے ابولہب نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں عرب کے شریف گھرانوں میں طلاق بڑی بے عزتی کی بات تھی ۱۲۔ [۲] فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہ واقعہ شعب ابی طالب میں پیش آیا ۱۲۔

بلّیں رکھتے ہوں، لیکن یہاں تو باطن کو ظاہر کر کے دکھانا تھا، چھوڑ دیا گیا تھا، تاکہ کرید نے والے جہاں تک ممکن ہو کرید یں، وہ مسل رہے تھے، رگڑ رہے تھے، انگلیاں ڈال ڈال کر ٹٹول رہے تھے کہ جو کچھ ظاہر کیا جا رہا ہے، کیا اندر بھی کچھ کہیں بھی اس کے سوا کچھ ہے، تجربہ کرنے والوں کے لئے تجربے کے سارے ساز و سامان، تمام آلات و اوزار، ایک ایک کر کے مہیا کر دئے گئے تھے کہ آئندہ ان ہی کو گواہی دینی تھی، ان ہی کو دنیا کے آگے شہادت ادا کرنا تھا۔

شعب ابی طالب کے مصائب کی قیمت، واقعہ معراج

ابو طالب کے شعب کا مرحلہ بھی ختم ہو گیا، یہاں دنیا کی ہر چیز سے جدا کئے گئے تھے، اور جدائی کی رفتار کو کھائی کے ستم زدوں کے شور و فغاں نے اور تیز کر دیا تھا، جو فطرتاً دنیا اور دنیا والوں سے کچھ جدا ہی جدا سا تھا جب قصداً بھی اس کو جدا کیا گیا اور ایسے سخت دباؤ ڈال ڈال کر جدا کیا گیا جس سے زیادہ دباؤ اس رقیق قلب کے لئے ممکن نہ تھا، سمجھا جا سکتا ہے کہ کائنات سے جدائی کی اس رفتار نے آخر کسی دوسرے جانب ارتقاء کی کتنی منزلیں طے کی ہوں گی، جس چیز کو ایک طرف سے دباؤ گے تو دوسری طرف اس کا ابھرنا ناگزیر ہے، سبز اور خاموشی سے کام لیا جاتا تو عقل قیاس کرتی کہ اس دباؤ نے کسی دوسری سمت کتنا ابھار پیدا کیا ہو گا،

لوگ سوچتے نہیں، ورنہ جب شعب ابی طالب سے نکلنے کے ساتھ ہی کہنے والے نے حراء کے واقعہ سے بھی زیادہ قدرت کی نادرہ کاری کا اظہار کیا تھا تو جن پر ابھی اسی شب کی رشنی نہیں کھلی تھی جس میں "ان پڑھ کو کتاب دی گئی"، وہی کہنے لگے کہ اس رات میں اتنا عروج ایسا عروج کس طرح میسّر آیا،

واقعہ معراج کے متعلق چند اشارات

ان بھولے بھالوں سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے، آخر جو نیچے سے دبایا گیا اور مسلسل اتنی بے دردیوں سے دبایا گیا اور وہ دنیا جی

چلا گیا، کس قدر عجیب بات ہے کہ اسی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ اوپر کی طرف کس طرح چڑھا، اور کیوں چڑھتا گیا، جن کو یہی نہیں معلوم ہے کہ عالم کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ اور دونوں کا بنانے والا کیا ہے؟ عالم انسان میں ہے یا انسان عالم میں ہے؟ جن پر یہی معمہ نہیں کھلا ہے تو پھر وہ اس گرہ کو کیا کھول سکتے ہیں جس میں انسان اپنے خالق کے ساتھ بندھا ہوا ہے، خالق عرش پر بھی ہے، اور جس کو خلیفہ اور آدمی کہتے ہیں، وہی جس میں خالق کی روح پھونکی گئی ہے اسکی گردن کی دریدکے پاس بھی عرش ہی والا خالق ہے،

جب تک ان متناقضات کے تناقض کو تم سلجھا نہیں سکتے اس قسم کے ژولیدہ حقائق کی گتھیوں میں کیوں الجھتے ہو، جو نہ روح کو جانتے ہیں، اور نہ جسم کو، وہی باہم ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں کہ کیا یہ واقعہ روح کے ساتھ پیش آیا، یا جسم کے ساتھ؟ جسم کے ساتھ پیش آیا تو کیا؟ اور روح کے ساتھ پیش آیا تو کیا؟ جن کی سمجھ میں ایک دونوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو بھی نہیں آتا، وہ ان دو شکلوں سے ایک کی تعیین آخر کس بنیاد پر کرتے ہیں؟ ہستی کا جو تناور درخت تمہارے سامنے کھڑا ہے اور جس کے مختلف حصوں کے نام خاک و آب و آتش و باد و سفلیات و علویات، ارض و سموات، مرئیات، وغیر مرئیات ہیں، وہی جس سے تمہارے سامنے فرات و نیل[1] یا گنگا وجمنا کی موجیں بھی ابلتی ہیں اور پھر اسی سے ان عالموں میں جہاں تمہاری اور تمہاری بینائی کی رسائی نہیں، تسنیم و کوثر کی نہریں بھی پھوٹی ہیں، تم کو کیا معلوم کہ اس درخت کی جڑ کہاں ہے، اور اس کی پھننگ وجود کی کس شکل پر ختم ہوتی ہے نہ دیکھنے والے

---

[1] معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "سدرۃ المنتہیٰ" کی جڑوں سے جنت کی نہروں کو بھی بہتے دیکھا اور فرات و نیل کو بھی اسی کے اندر سے پھوٹتے پایا، آپ کے اس بیان ہی سے سمجھا جا سکتا تھا کہ "سدرۃ المنتہیٰ" کوئی ایسی حقیقت ہے جو محسوس اور نامحسوس عالموں میں بطور قدر مشترک کے ہے ۱۲۔

کیوں منہ تکتے ہیں، جب دیکھنے والے نے کہا کہ وہ "سدرۃ المنتہیٰ ہے"، مٹی ہی گیہوں ہے اور گیہوں ہی روٹی ہے، روٹی ہی خون ہے، اور خون ہی گوشت ہے، گوشت ہی کہیں آنکھ ہے، کہیں جگر ہے، کہیں ہڈی ہے، اور کہیں ناخن ہے، ایک ہی وجود تھا جو مختلف پیرایوں میں کیا کیا نظر آیا، پھر اگر کسی نے شجر وجود ہی کے اندر سے نیل و فرات کو بھی اور تسنیم و سلسبیل کو بھی نکلتے دیکھا تو غلط کیوں دیکھا، جب دودھ پلایا گیا تو "اصبت الفطرۃ" کی آواز آئی، ایک صفت اگر دوسرے عالم میں دودھ کے رنگ میں دکھی گئی تو پھر جھوٹ کی شکل دوسری دنیا میں اگر پتھر بن جائے، حسد کی شکل بچھو کی ہو، حرص چوہے کی شکل میں دوڑتا دکھائی دے تو اس پر حیرت کیا ہے؟ یقیناً انسان میں دونوں خواہشیں ہیں، حیوانی بھی، اور ملکوتی بھی، پھر حیوانی خواہشوں پر قابو پانے والوں کو اپنی یہ خواہش کسی حیوان ہی کے بھیس میں نظر آئے تو اس میں حیرت کیا ہے، وہ سفید ہو، براق ہو، برق رفتار ہو اتنا برق رفتار کہ جہاں اس کی نظر پہنچتی ہو، وہیں اپنے قدم رکھتا ہو، وہ گھوڑوں جیسا لمبے ڈول لمبا نہ ہو، گدھوں جیسا ذلیل و پست نہ ہو، معتدل ہو، موزوں قامت ہو، سب کچھ ہو لیکن رہے گا تو وہ حیوان ہی۔

کیا کیا جائے بڑی نشانیاں یا آیات کبریٰ کا سیاح چھوٹی نشانیوں یا صغریٰ آیات کے اندر رہنے والوں کو کس طرح سمجھائے، کہ وہ کہاں گیا؟ کب گیا، کس طرح گیا۔

اس بہرے کو جو نور کے عالم کی سیر کر چکا تھا جب آواز کی اس دنیا میں چلنے کے لئے کہا گیا جو موروں کی جھنکاروں، شیروں کی ڈکاروں، چڑیوں کے چہچہوں، چکوروں کے قہقہوں سے معمور تھی، تو اس نے پوچھا کہ آواز کی دنیا؟ کتنی دور ہے؟ کس رخ ہے؟ کتنی دیر میں پہنچا جا سکتا ہے؟ حالانکہ کان کا پردہ اٹھا، اور یہ سارے سوالات کافور تھے، جن کے صدر کا شرح ہوا جن کا سینہ کھولا گیا، جن کے ظاہری حواس کے ساتھ باطنی احساسات بھی جگا دیئے گئے، لوگ اس کو منکر

پریشان کیوں ہوتے ہیں، حالانکہ جن کے لطائف و اسرار صاف ہیں اور ان لطائف کو تو تقریباً ہر شخص صاف کر سکتا ہے، ان سے اگر پوچھا جاتا تو اس کی تصدیق کرتے۔

اور بات یہ ہے کہ جو کچھ دکھایا جانے والا تھا کیا ہوا، اگر کسی خاص شان میں وہ کچھ دن پہلے دکھایا گیا، ہزارہا پیغمبروں سے کل آٹھ پیغمبروں اور ان میں بھی آدم سے شروع کر کے معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت پر، اس شخص کی ملاقات کیوں ختم ہو گئی، جو آدم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچا، اور جب کعبہ فتح ہو گیا، اس کا کام بھی ختم ہو گیا، جس نے دیکھا اور جنہیں دکھایا گیا دونوں کی زندگیوں پر غور کرو، نظر آئے گا کہ جو ہونے والا تھا، وہ کسی رنگ میں اس وقت ہو رہا تھا، حالانکہ ان ہی واقعات کے سلسلہ میں جب صرف "زندگی" نہیں بلکہ "امانت کبریٰ" کی زندگی، اقصیٰ کی مسجد میں دکھائی گئی، تو اس وقت آٹھ ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے پیغمبر اس امام کے پیچھے کھڑے نظر آئے جو نوع انسان کا سب سے بڑا امام ہے (اللّٰھُمَّ صَلِّ علیہ و سلم)

اور سچ یہ ہے کہ جس کو سچا مانا گیا اس کے ہر ہر "سچ" پر دلوں میں شک کا ابھار یقین کر و کہ اس ماننے کا بداہتہً انکار اور اس ایمان سے یہ قطعاً ارتداد ہے، مرتد ہوا جس نے انکار کیا اور صدیق ٹھہرا جس نے اقرار کیا۔

اُف! میں بہت دور نکل گیا، لیکن دور ہونے والوں کو قریب کرنے کے لئے کچھ دیر ہوئی تو وہ دیر نہیں ہے، بہرحال بات یہ ہو رہی تھی کہ جو ایک طرف سے اگر دبا گیا تو اچنبھا کیوں ہے کہ وہ دوسری سمت میں دور اور اتنی دور کیوں چلا گیا، آخر قدرتی طور پر یہ نہ ہوتا تو ہوتا کیا، اور اسی کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ جن کو بار بار جاننے کے لئے، اپنی آنکھیں کھولنے کے لئے کہا جاتا تھا، بظاہر ان کی تکذیب میں تیزی پیدا

ہوئی، لیکن بہ باطن ان کی تفتیش میں اس دعوی نے اور تیزی پیدا کر دی، اور اب امتحانی راہوں میں وہ ایسی باتیں سوچنے لگے جن کے بعد کچھ بھی نہیں سوچا جاتا

وہ ادھر اپنے آخری منصوبے پکا رہے تھے کہ وقتوں کے ساتھ اس ٹیڑھی

حضرت ابوطالب و خدیجہ کی وفات

ہوئی دنیا میں ان دو آدمیوں کا وقت ختم ہو گیا۔

جو جانچا جا رہا تھا اس کے لئے واقعہ کے اعتبار سے یہ کچھ نہ ہوں لیکن عام بشری قانون کی رو سے ان کو بہت کچھ سمجھا جاتا ہے نبی شک کرتے تھے کہ ہلنے کے وقت بھی دونوں تھام لیتے ہیں ٹوٹنے کے وقت بھی دونوں ڈھارس باندھ دیتے ہیں۔

الغرض حضرت ابوطالب بھی چل بسے، اور سب سے پہلی ایمان لانے والی خاتون، دنیا کی ایمان والیوں کی پیشوا (رضی اللہ تعالی عنہا) اپنا کام پورا کرکے چھوڑ دیا، تنہا کے میدان میں تنہا چھوڑ دیا، تاکہ تسلی کے الزام کا یہ شوشہ کٹ جائے، مٹ جائے، اور وہ کٹ گیا، مٹ گیا، لیکن امتحان دینے والا امتحان کے میدان میں اسی طرح ڈٹا ہوا تھا اور ان تمام حالات کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا جو اس پر گزر رہے تھے، گزارے جا رہے تھے۔

لیکن کب تک؟ جلنے والے جلتے ہی تھے، دنیا والے آخر تب تک دالوں کے پاس امتحانی مدت کے دس سال سے زیادہ گزر چکے تھے، جانچ کی کون سی شکل تھی جو باقی رہ گئی تھی، بجز اس ایک منصوبے کے جو آخری منصوبہ تھا۔

طائف کی روانگی

یہ نہیں سنتے، شاید دوسرے سنیں۔ یہاں جی نہیں لگتا، شاید وہاں لگے کچھ بھی سوچ کر زیادہ دور نہیں بلکہ امراء مکہ کے گرمائی اسٹیشن طائف کا خیال آیا۔ زید بن حارثہ آزاد غلام کے سوا ساتھ بھی کوئی نہ تھا، حجاز کی سب سے بڑی دولتمند عورت

خود بھی جا چکی تھیں) اور جو کچھ ان کا تھا ان ہی راہوں میں جن پر وہ صرف ہو رہا تھا، صرف ہو چکا تھا، سب کچھ جا چکا تھا، اتنا بھی باقی نہ تھا کہ طائف تک کے لئے کوئی سواری ہی کرایہ کر لی جائے معمولی تیتلے دو چپلوں کے سوا پائے مبارک کے لئے راستہ کو آسان کرنے والی کوئی چیز نہ تھی، اسی حال میں پہنچے، پہنچتے ہی اونچی دوکانوں والوں کے پاس آئے، جس لئے آئے تھے اس کا اظہار کیا گیا پھر تمام تجربوں میں یہ آخری تجربہ تھا کہ جس کسی کے پاس گئے اسی نے بلایا، جس سے بولے اسی نے جھڑکا، حالانکہ کم از کم اجنبی لوگوں کا سلوک ابتداءً آپ کے ساتھ کبھی ایسا نہ تھا، "اور نہ روداد از پیغمبر کے") منزدوں کے ہوتے ہوئے ابتداءً فطرت بشری ایسا کر سکتی ہے، مگر یہاں یہی دکھایا جا رہا ہے اور عجیب نشانوں کے ساتھ دکھایا جا رہا ہے، جنہیں کچھ نہیں آتا ان کی زبانوں پر منطق جاری ہوئی۔

"جسے سفر کے لئے ایک گدھیا بھی میسر نہیں، کیا خدا کو اس کے سوا رسول بنانے کے لئے اور کوئی نہیں ملتا تھا"

ٹوٹے ہوئے دل کے لئے یہ پہلا تیر تھا، جو امارت کے نشہ میں چور ایک امیر کی زبان سے نکلا۔

"ردائے کعبہ کے تار تار ہو جائیں گے اگر خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے"

کعبہ کی عظمت جس کی نگاہ میں ان بتوں کے ساتھ وابستہ تھی جو مختلف قبائل کی خدائی کے نام سے وہاں رکھے گئے تھے، اور اس کے خیال میں ان ہی بتوں نے سارے عرب کو کعبہ کے ساتھ باندھ رکھا تھا، اس نے اپنا یہ سیاسی نظریہ پیش کیا۔

"تم اگر رسول ہو تو میں اس کا مستحق نہیں ہوں کہ تم سے بولوں، اور اگر نہیں ہو تو میری ذلت ہے کہ کسی جھوٹے سے بولوں"

یہ ان میں سے تیسرے کی منطق تھی،

جو سب کے لئے تھا اور سب کے لئے ہے، قیامت تک کے لئے ہے، کیسا دردناک نظارہ ہے اسی کو سب واپس کر رہے تھے، تیز و تلخ جملوں کے ساتھ واپس کر رہے تھے، بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی کہ انہوں نے جو پیش ہوا تھا اس کو صرف رد کر دیا، بلکہ آگ[1] میں پھاندنے والوں کی جو کمریں پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا، وہی گر کے بل گرایا جاتا تھا، پتھر مار مار کر گرایا جاتا تھا گھٹنے چور ہو گئے، پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں، کپڑے لال ہو گئے، معصوم خون سے لال ہو گئے، نو عمر رفیق نے سڑک سے بیہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا اٹھایا، پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لایا، جوتیاں اتارنی چاہیں، تو خون کے گوندے وہ تلوے کے ساتھ اس طرح چپک گئی تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا۔

اور کیا کیا گزری، کہاں تک اس کی تفصیل کی جائے، خلاصہ یہ ہے کہ طائف میں وہ پیش آیا جو کبھی نہیں پیش آیا۔

لیکن کیا طائف کی بات صرف اسی پر ختم ہو جاتی ہے، سڑک پڑ رہی تھی، لیکن لوگوں نے راستہ کو سیدھا خیال کیا، چوراہے پر کھڑے تھے لیکن کوئی نہیں کھٹکا، حالانکہ بخاری میں سب سے بڑی مصیبت کے سوال میں جب یہ ذاتی اقرار موجود تھا:-

کان اشد ما لقیت منھم یوم العقبۃ، سب سے زیادہ سخت اذیت ان سے زمانے والوں سے مجھے اس گھاٹی میں طائف کے اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل ۔ پہنچی جس دن میں نے عبد یالیل کے بیٹے پر اپنے کو پیش کیا تھا تو لوگوں نے احد اور احد کے پہاڑوں کو کیوں یاد کیا، لیکن جو احد کے مقابلہ میں طائف کو یاد کرتا تھا، اس کو سب بھول گئے، پوچھا بھی گیا تھا۔

---

[1] بخاری و مسلم کی اس مشہور حدیث کا ترجمہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثلی و مثلکم انا اخذ بحجزکم عن النار (میری مثال تمہارے سامنے ایسی ہے کہ میں تم لوگوں کی کمریں پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں)

ھل اتی علیک یوم کان اشد علیک من احد (کیا آپ پر احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا)
اسی کے جواب میں جس پر گذری اس نے طائف پیش کیا، تو جن پر نہیں گزری ایا آپ کیا پوچھ پاتے ہیں؟
اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ٹھیک جس طرح ابی طالب کی گھاٹی میں جو ایک طرف سے دبایا گیا تو دوسری سمت میں وہ پھولا اور اتنا پھولا کہ ارض و سموات، سفلیات و علویات، مرئیات و غیر مرئیات حتی کہ جس پر سب ختم ہوتے ہیں منتہیٰ کا یہ سدرہ بھی اس کے احاطہ میں آ گیا،
بجنسہ کچھ اسی طرح طائف کی گھاٹی میں جو واپس کیا گیا اور اس طرح واپس کیا گیا کہ جن سے ملتے وہی کھٹکتا، جس سے چمٹتے وہی سمٹتا، جس کو بلاتے وہی دردراتا، جس سے جوڑتے وہی توڑتا، انکار کی یہ آخری حد تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ سے تکرار رہا ہے۔ ہو رہا ہے، وکر رہا ہے،
اگر یہ ہو رہا تھا، اور دن کی روشنی میں ہو رہا تھا تو کیوں نہ سمجھا گیا کہ جس قدرت کے ہر منفی قانون کی انتہا مثبت پر ہوتی ہے جس کے ہر عمل کی تان ردعمل پر ٹوٹتی ہے، "عمل و ردعمل" کی گتھیوں میں گتھی ہوئی اس دنیا میں جب یہ واقعہ یوں ہی ہو رہا تھا تو بلا شبہ عبدالمطلب وادی سے جس انکار کی ابتدا ہوئی تھی، طائف کی اس گھاٹی میں اس کی انتہا ہو گئی۔
جو رد کیا گیا ہے، قبول کیا جائے گا، جو ہنکایا گیا ہے، بلایا جائے گا، جو گرایا گیا ہے، اٹھایا جائے گا، عقل کا مقتضیٰ تھا کہ ایسا ہوتا اور شاید کہ ایسا ہی ہوا۔
مگر اس دنیا کی ریت یہی ہے کہ مسبب ہمیشہ سبب کے رنگ میں آتا ہے، آسمانی تنزلی کے بھیس میں آتا ہے، کس قدر عجیب ہے، امتحان و ابتلا کی اس طویل کی زندگی میں "پڑ رہی تھی، اور جھیل رہا تھا" اس نظارہ کے سوا اور کوئی تماشا کبھی پیش نہیں ہوا، لیکن جب مکہ کے ان ہی واقعات کا تکملہ طائف میں ہوتا ہے تو دیکھو! جو شروع ہوا تھا وہ اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

طائف سے واپسی زید نے تو شہر سے باہر نکال کر خون سے لتھڑے ہوئے جسم کو دھو دھا کر صاف کیا۔ سامنے کے ایک باغ میں کچھ آرام لینے کے لئے پہنچایا، جہاں زخموں سے خستہ و بے جان، بھوک اور پیاس سے نڈھال، پردیسی مسافر کی مہمان نوازی انگور کے چند خوشوں سے کی گئی، جس سے دل ٹھکانے تو کیا ہوتا لیکن صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قدم اٹھا سکیں، لیکن قرن الثعالب کے موڑ تک پہنچے تھے کہ ناتوانی نے بٹھا دیا، سر پکڑ کر بیٹھ گئے، اور وہی جو انکار کے عمل کو آخری حد پر پہنچا کر اب ردِ عمل کا آغاز کرنا چاہتا ہے، دس بارہ سال کی خاموش زبان میں جنبش پیدا کرتا ہے، جو بند تھی کھل گئی، طوفان امنڈ پڑا، اسوقت وہاں کون تھا، جو سنتا کہ کیا ابل رہا ہے؟ تاہم غالباً زید ہی کے ذریعہ سے چند الفاظ حافظوں میں اب تک باقی ہیں، سالہا سال کے صبر و سکون کی چٹان پھوٹی، اور اس سے یہ فوارہ چھوٹنے لگا۔

"میرے اللہ! تیرے پاس اپنی بے زوری کا شکوہ کرتا ہوں، تیرے آگے اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کا گلہ کرتا ہوں، دیکھ! انسانوں میں میں ہلکا کیا گیا، لوگوں میں یہ میری کیسی سبکی ہو رہی ہے۔ اے سارے مہربانوں میں سب سے مہربان مالک میری سن! میرا زور، میرا رب تو ہی ہے، مجھے تو کن کے سپرد کرتا ہے، جو ہم سے دور ہٹ گئے ہیں مجھے ان سے نزدیک کرتا ہے، یا تو نے مجھ کو میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دیدیا؟ پھر بھی اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو مجھے ان باتوں کی کیا پروا، مگر کچھ بھی ہو، میری سمائی تیری عافیت ہی کی گود میں ہے، تیرے چہرے کی وہ جگمگاہٹ جس سے اندھیریاں

روشنی بن جاتی ہیں، میں اسی نور کی پناہ میں آتا ہوں کہ اسی سے دنیا و آخرت کا سدھار ہے، مجھ پر تیرا غصہ بھڑکے اس سے پناہ مانگتا ہوں مجھ پر تیرا غضب ٹوٹے اس سے تیرے سایہ میں آتا ہوں۔ منانا ہے اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ قابو ہے، نہ زور ہے، مگر علی و عظیم اللہ ہی ہے۔"

یہ چند قطرات ہیں جو اس دن کی موجوں سے محفوظ رہ گئے، ورنہ کون جانتا ہے کہ کیا کیا کہا گیا؟ کہلوایا گیا؟ پانچوں وقت بندہ و رب میں جب مکالمہ و مناجات کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ جس افتتاحی کلام سے اس کا آغاز ہوتا ہے وہ کہا جاتا ہے، یا کہلوایا گیا ہے[1]۔

پس سچ یہی ہے جسے کہتا آرہا ہوں کہ منفی قانون ختم ہو چکا تھا، طائف کی گھاٹیوں میں ختم ہو چکا تھا، اور قطعاً ختم ہو چکا تھا کہ اس کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو چکا۔ اندر باہر آگیا، پوری طاقت سے آیا، ہر شکل میں آیا، ہر صورت میں آیا،

"دے کر بھی دیکھا گیا، اور پورے طور پر دیکھا گیا"

لے کر بھی جانچا گیا، اور جی بھر کے جانچا گیا!!

سال دو سال نہیں، ایک جگ ایک قرن سے زیادہ موقعہ دیا گیا، تاکہ ٹھونکنے والے

---

[1] یعنی سورۂ فاتحہ جو ایک درخواست کے رنگ میں ہے اور نمازی اس دعا سے نماز کو شروع کرتا ہے پھر اس درخواست کے جواب میں قرآن کا کوئی حصہ سنایا جاتا ہے، یعنی تم نے "صراط مستقیم کی ہدایت" کی درخواست جو کی تھی تو قرآن یہی وہ سیدھی راہ بتا رہا ہے، بہر حال مقصود یہ ہے کہ حالانکہ دعا ہم کرتے ہیں لیکن اس دعا اور درخواست کی تدوین خود حق تعالیٰ نے فرمائی۔

ٹھونک لیں، بجانے والے بجا لیں، کسنے والے کس لیں، تاننے والے تان لیں، آزمائش کی کونسی بھٹی تھی، جس میں قدرت کے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا، یہ زرِ خالص نہیں ڈالا گیا۔ حرارت کا کون سا درجہ ہے جو اس کی غیر معمولی لاہوتی حقیقت تک نہیں پہنچایا گیا، جو کچھ کر سکتے تھے سب کچھ کر لیا گیا، اس کے آگے کیا کچھ اور بھی سوچا جا سکتا ہے؟ جنھیں تیئس کی زندگی کے ان سالوں میں مسلسل تابڑ توڑ، پیہم "مدد" و "دیانت" کے اس بے نظیر سر چشمہ کے ساتھ ہوتے ہوئے دیکھا، شہادتیں تمام ہو گئیں، گواہیاں پوری ہو چکیں، تجربات مکمل طور پر مہیا ہو چکے، مشاہدات لٹ چکے ہو چکے، الغرض عالمِ امکان میں جو کچھ ہو سکتا تھا سب ہو گیا۔ منفی قوانین اپنے سارے حقوق لے کر اپنے حدود کی آخری بالکل آخری نقطہ پر پہنچ کر ختم ہو چکے۔

یقیناً وہی وقت آ گیا تھا، اور اب نہ آتا تو کب آتا کہ واقعات کے دوسرے رخ کا آغاز ہو۔ بس وہی جس سے ہر چیز الگ کی گئی، کائنات کا ہر ذرہ جس سے ٹکرایا اور پوری شدت کے ساتھ ٹکرایا، اتنی شدت سے ٹکرایا کہ صبر و سکون کے پہاڑ سب سے بڑے پہاڑ میں بھی جنبش پیدا ہوئی۔ انتظار کرو، کہ اب اسی کے ساتھ ہر چیز لپٹے، جس سے سب بھاگے تھے اسی کی طرف سب دوڑیں جس سے سب جدا ہوئے اسی سے سب آ کر ملیں، جس سے سب ٹوٹے، اسی سے اب سب جٹیں، جس سے سب بھٹکے، اسی سے سب چمٹیں، جنہوں نے دھتکارا، وہی اب اس کو پکاریں، اور بے کسی کے ساتھ پکاریں، جس سے سب کھنچے تھے اب اسی کی طرف ہاں! اسی کی طرف سب کھنچیں، پوری طاقت کے ساتھ کھنچیں زمین کھنچے، آسمان کھنچے، فلک کھنچے، ملک کھنچے، جن کھنچیں، انس کھنچیں، الغرض جو چیزیں کھنچ سکتی ہیں سب کھنچیں، اور دیکھو! کیا یہی نہیں ہو رہا ہے، شاعری نہیں

واقعہ ہو رہا ہے، میں نہیں امام بخاری کہہ رہے ہیں۔

جبرئیل امین کا ظہور طائف کی راہ میں

جو زمین پر چھوڑا گیا تھا، اور ہر طرف سے چھوڑا گیا تھا، اسی کے مبارک قدموں سے سب کو جوڑنے کے لئے ملاء اعلیٰ میں جنبش ہوتی ہے، سلسلۂ ملکوت کے ارتقائی نقاط کا آخری نقطہ "الجبرئیل الامین" کو دکھایا گیا، کہ وہ پکار رہے ہیں:۔

"سن لیا، اللہ نے سن لیا! آپ کے لوگوں نے جو کچھ آپ کو کہا"

پھر اسی سے جس کو سب نے لوٹایا تھا، خطاب کیا گیا:۔

"اور جنہوں نے آپ کو رد کیا، اور پھینکا وہ بھی اللہ سے غائب نہ تھے"

اس کے بعد جو ہلکا کیا گیا تھا، اور جو اپنی سبکی کے دکھ سے چند منٹ پہلے کراہا تھا، "هواني على الناس" کے ساتھ جو رو رہا تھا، دیکھو کہ اس کو وزن بخشا جاتا ہے، کیا پتھر کے باٹوں کے برابر کیا گیا؟ پہاڑوں سے تولا گیا؟ ہمالیہ، ارال، البرز، الپس کے مساوی ٹھہرایا گیا؟ عمل کا صحیح ردّ عمل کیا ہوتا، اگر اسی پر بس کیا جاتا جو سب پر ہلکا تھا، جب تک سب پر بھاری نہ کیا جاتا، کیسے کہا جاتا کہ عمل کا ردّ عمل ہو گیا۔

جبرئیل امین نے عرض کیا "قد بعث اليك ملك الجبال" اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کو نہیں بلکہ پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے۔

جس سے سب لیا گیا تھا، اب اس کو سب دیا جاتا ہے، اور کس ترتیب سے دیا جاتا ہے، غیب میں بھی، ملاء ادنیٰ سے پہلے ملاء اعلیٰ کا وہ قدسی وجود جو روحانیوں کا سردار ہے، اور شاید جو دائرہ ملکوت کا نقطۂ پرکار ہے، وہ دیا جاتا ہے، اس کے بعد ملاء ادنیٰ کے فرشتے "ملک الجبال" کی تسخیر کی بشارت سنائی جاتی ہے اور کیسی تسخیر

جبرئیل امین عرض کرتے ہیں :-

"یہ پہاڑ کا فرشتہ ہے، آپ جو حکم دیجئے وہ بجالائے گا۔"

پہاڑ کا فرشتہ حوالہ کر دیا گیا، جس کے سلام کے جواب میں بازار طائف کے چھوکرے تک پتھر پھینکتے تھے، ردّعمل کی پوری قوت کا اندازہ کرو، خود فرماتے ہیں "اس پہاڑ کے فرشتے نے مجھے سلام کیا"۔ سلام عرض کرکے جو مسخر کیا گیا تھا، فرمان طلب کرتا ہے، "یَا مُحَمَّدُ ذٰلِکَ لَکَ" (اے محمدؐ آپ کو پورا اختیار ہے)

کس امر کا اختیار ہے؟ اُف! جنھوں نے سنگریزوں سے مارا تھا پہاڑ کا فرشتہ اجازت طلب کرتا ہے :-

"کیا ان پر (طائف کے ان پتھر مارنے والوں پر) ان دونوں پہاڑوں کو (جن سے طائف محصور ہے) الٹ دوں؟"

جس کو ذرائع و وسائل کی قلت کا گلہ تھا اس کے ساز و سامان کی فراوانی کا اندازہ کرو، یہ تیاری میں کیا ہے؟ جس کے گھٹنے توڑے گئے، ٹخنے چورے گئے، اب اس کے قابو میں کیا نہیں ہے، اور جو اختیار دیا گیا، کیا وہ پھر چھینا گیا؟

اس کے بعد اگر میں کبھی کہتا ہوں کہ اُحد میں دانت ٹوٹے نہیں، بلکہ توڑ دئے گئے، چہرہ مبارک زخمی ہوا نہیں بلکہ زخمی کرایا گیا، خندق میں پیٹ پر پتھر بندھے نہیں، بلکہ باندھے گئے، الغرض اس کے بعد جو کچھ گذرا اس کو کیا غلط کہتا ہوں جب لوگوں سے کہتا ہوں کہ گذرے نہیں بلکہ گذارے گئے، مہینوں گھر میں آگ جلی نہیں، بلکہ نہ جلائی گئی، کھانا پکا نہیں، بلکہ نہ پکوایا گیا۔

"مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مجھے مسکین ہی مار، اور مسکینوں ہی کے ساتھ اٹھا۔"

کیا اس آرزو کی ہر کلیجہ میں قوت ہے، کس کا جگر ہے، جو یہ کہہ سکتا ہے، لیکن جن کو سب کچھ مل جاتا ہے اپنے لئے نہیں، غیروں کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، نعمت والے تو اپنی نعمتوں سے خوش ہیں، لیکن مصیبت زدوں کی تسلی تو صرف اسی کی ذات سے ہو سکتی ہے جس کے پاس سب کچھ ہو سکتا تھا لیکن صرف اسی لئے کہ جن کے پاس کچھ نہیں ہے، ان کے آنسو تھمیں، اس نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا، موطا امام مالک کی اس روایت کا کیا مطلب ہے کہ "میرے مصائب ہر مسلمان کی تعزیت کریں گے" سوچنا چاہئے کہ مصیبت کی کون سی ایسی قسم ہے جو اس وجود اطہر پر نہ گزری جو دنیا والوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔

ہاں! میں دور نکلا جا رہا ہوں۔ تو بات یہاں پہنچی تھی کہ جسے پتھر کے ٹکڑوں سے پتھرایا گیا تھا، اسی کو اختیار دیا گیا کہ وہ پہاڑوں سے اس کا جواب دے سکتا ہے، اور بہ آسانی دے سکتا ہے، شاید یہ اختیار ان کو بھی نہیں جو ان پر طیاروں سے گولے گراتے ہیں، جنھوں نے ان کو پھول سے بھی نہیں مارا تھا، اور نہ اتنا ان کے بس میں بھی ہے، جو ہوٹزر سے من من دو دو من کے گولے پھینکتے ہیں۔

کتنا چھوٹا غرور ہے جن کو یہ ادھر شل دیا گیا ہے، جب کہتے ہیں کہ البیاکسی کو نہیں ملا دیوانو! تم کو کیا ملا جو تم سے پہاڑوں کو مل چکا ہے، اور جو چاہے اسے اب بھی ملتا ہے، ہمیشہ ملتا رہے گا، لیکن تم نے جو کیا اور کر رہے ہو، اسے دنیا دیکھ رہی ہے، اب دیکھو جس کو جبال ملے ملک الجبال ملا، وہ اپنی اس قوت سے کیا کام لیتا ہے، جنھوں نے اس کو ہلکا کیا تھا، کیا ان پر ان کی زندگی کو وہ بھاری کرے گا، چاہتا تو یہ کر سکتا تھا، اور اس کو حق تھا کہ جنھوں نے اس کو پتھراؤ کیا تھا، ان کو سنگسار کرے، اس نے طائف سے نکل کر جو کچھ کہا تھا، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا، شاید تم نے غور نہیں کیا، اس میں جو کچھ کہا تھا وہ اپنے لئے کہا تھا۔

لیکن جنہوں نے اس کے ساتھ وہ سب کچھ کیا تھا جو وہ کرسکتے تھے۔

پھر غور کرو! ان کے متعلق اس نے کچھ بھی کہا؟ جس قدر وہ نزدیک تھا اتنی نزدیکی جنھیں حاصل نہ تھی جب ان کی آرزو نے نوحؑ کا طوفان برپا کیا، تو ان میں جو سب سے اونچا تھا، بجھ سکتے ہو کہ وہ کیا کچھ نہ برپا کرسکتا تھا، اور آج کس بات کی کمی تھی، جو چاہے اب وہ کرسکتا تھا، لیکن اسی تاریخ نے جس نے نوح کے طوفان، عاد کی آندھی، ثمود کے صیحہ[1]، شعیب کے رجفہ، موسیٰ کے دریا کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے اس نے ریکارڈ کیا کہ پہاڑ کے فرشتے سے فرمایا جارہا ہے:۔

"میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی پوجا کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں۔"

پہاڑ پانی ہوگیا، ایک اس آواز نے آگ کو باغ بنادیا، جو مر رہے تھے، جی گئے، جو ختم ہوگئے تھے، پھر شروع ہوگئے، اور رد عمل کے سلسلہ میں جو پیش آنے والا تھا اس کا پہلا نقش یہ تھا، (صلے اللہ علیہ وسلم) خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اور جو عالمین کے لئے پیار لے کر آیا تھا، اس کی زندگی میں اس واقعہ کو کوئی ندرت نہیں ہے، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ جس سے لیا گیا تھا، جب ردعمل میں اس کو دیا جانے لگا تو کس عجیب ترتیب سے دیا گیا، شہادت و محسوس نے پہلے غیب عطا ہوا غیب میں پہلے ملاء اعلیٰ پر قابو دیا گیا، ملاء اعلیٰ کے بعد ملاء ادنیٰ پر قبضہ کرایا گیا، اس کے بعد کیا ہونا چاہیے عقل کے لئے یہ باور کرنا آسان ہے کہ غیب اور نامحسوس سے تڑپ کر کیا یک یہ ترتیب محسوس اور عالم شہادت میں آجاتے؟ اگر ایسا ہوگا تو ابھی غیب کی اور بہت سی غیر مرئی ہستیاں، ایسی ہستیاں جنھیں گو سب نہیں دیکھتے، لیکن سب میں ان کے دیکھنے والے موجود ہیں، کیا وہ اس کے قابو سے باہر رہ جائیں گی، جس کو سب پر قبضہ عطا کیا گیا ہے "مالکم کیف تحکمون"۔

---

[1] صیحہ، ریح، رجفہ، زلزلہ، قرآن مجید میں ان عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲۔

جنوں سے ملاقات وبیعت | نہ کہا جاتا تو سوچا جاتا، سمجھا جاتا، مانا جاتا، لیکن جب کہا گیا، اور صحیح روایتوں میں یقین کے ساتھ کہا گیا کہ تسخیر کا یہ سلسلہ اسی ترتیب کے ساتھ غیب سے شہادت کی طرف بڑھا، اور شہادت تک تسخیری آثار اس عالم کی چیزوں سے گذر کر پہنچے، جن کو ان دونوں دنیاؤں کے درمیان برزخی واسطہ کی حیثیت حاصل ہے، تو کیا عقل بھی اسی ترتیب کو نہیں ڈھونڈھتی ہے لوگوں نے بے پروائی کے ساتھ کیوں سُنا جب ان کو یہی سُنایا گیا، یعنی صحیح حدیثوں میں تھا کہ ملک الجبال کے واقعہ کے بعد ہی نخلہ کے نخلستان میں اس برزخی تسخیر کا ظہور ہوا اور ٹھیک ایسے وقت میں ظہور ہوا جو رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے ملانے میں واسطہ اور برزخ کا کام دیتا ہے صحیح بخاری میں ہے، کہ صبح کا وقت تھا، کھجوروں کے جھنڈ میں فجر کی نماز کا قرآن گونج رہا تھا، عین اس وقت:-

صرفنا الیک نفرا من الجن	ہم نے تیری طرف جنوں کی ایک ٹولی پھیری
یستمعون القرآن	تاکہ وہ قرآن سنیں،

وہ چیخنے لگے:-

انا سمعنا القرآن عجبا یھدی الی الرشد ہم نے پڑھنے کی ایک عجیب چیز سنی جو سوجھ کی راہ بتاتی ہے اور ٹھیک جس طرح کچھ نہیں ہوتا ہے، لیکن شمع کے روشن ہونے کے ساتھ ہی بھانت بھانت کے کتنے کچھ پروانے جو نامحسوس تھے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کی روشنی پر گرے، اور پروانوں ہی کی طرح قربان ہو گئے۔ جنوں میں آواز بلند ہوئی:- اٰمنّا بہٖ (ہم نے اس کو مان لیا)

اور قبل اس کے کہ "دیدوں" کی طرف تبلیغی مہم روانہ ہو "نادیدوں" کا یہ گروہ ان ہی نامحسوس علاقوں کی طرف تبلیغی مہم کے پہلے دستہ کی حیثیت سے روانہ ہو گیا۔

بہر حال مجھے تو اس وقت یہ دکھانا تھا کہ عمل کے بعد ردِّ عمل کا سلسلہ کتنی استوار و محکم ترتیب کے ساتھ آ

بڑھا ہے، نخلہ کے جنوں کا واقعہ اگر بیچارے محدثین ہم تک نہ پہنچاتے ان کے خوف سے نہ پہنچاتے، جن میں جنوں ہی کا ایک جنی[1] انکار کا جنون پیدا کرتا ہے، تو خیال کر سکتے ہو کہ ملاء اعلیٰ سے ملاء ادنیٰ پر آکر ہم غیبی وجود کے اس طبقہ سے یکایک چھلانگ مار کر شہادت اور عالم محسوس میں کس طرح چلے آتے، واقعہ نہ بھی ہوتا تو عقل کا اقتضا تھا کہ اس کو ہونا چاہیے تھا، ارتقاء کی کڑیوں میں اگر کوئی کڑی نہیں بھی ملتی ہے تو ایمان لایا جاتا ہے کہ وہ ہوگی پہلے جانے مان لیا جاتا ہے کہ وہ کبھی اور ضرور تھی، پھر اگر ہم نے ان کو جان کر مانا، اور قرآن کی قطعی روشنی، حدیث کی صحیح راہ نمائی میں مانا تو دیوانو کو ایسا کرا ابھوں کا گروہ ہم پر کیوں ہنستا ہے۔

مدینہ والوں سے پہلی ملاقات

الغرض نخلہ کے نخلستان میں غیب کی آخری حد بھی ختم ہو گئی، اب شہادت و محسوس کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

مکہ معظمہ سے یہ گاؤں ایک رات کے فاصلہ پر واقع تھا، صبح ہو چکی ہے، دن نکلتے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، جس وقت مکہ کے قریب منیٰ کے میدانوں میں پہنچے ہیں، قدرت اپنی عجیب کارفرمائیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، یہی منیٰ تھا، یہی حج کے مواسم تھے کتنے موسم آئے، اور کتنے گئے جب پھٹ کر پکارنے کا حکم ہوا تھا، اس دن سے شاید ہی کوئی موسم گذرا ہو جس میں لوگوں نے قبائل کے خیموں کے آگے۔
"یاایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" "لوگو! بولو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بامراد ہو جاؤ گے"
پکارنے والے کو پکارتا ہوا نہ دیکھا تھا، اور جہاں یہ دیکھتے تھے، وہیں سب کے سامنے یہ بھی ہو رہا تھا کہ جس کی طرف لپکا جاتا تھا، وہی بھاگا جاتا تھا جس کو بلایا جاتا تھا وہی کترا تا جاتا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس منفی عمل کا یہ حال تھا کہ جس کو جوڑا جاتا تھا وہ خود بھی ٹوٹتا اور دوسروں کو بھی پوری طاقت سے توڑتا جاتا تھا، ایک بار نہیں بلکہ شاید ہر بار جب وہ پکار بلند ہوتی جن کا ذکر ہوا تو اسی کے ساتھ۔

---

[1] قرآن میں "ابلیس" کے متعلق "کان من الجن" (وہ جنوں میں سے تھا) مذکور ہے ۱۲

"یاایھا الناس لا تسمعوا منہ فانما یدعوکم ان تسلخوا اللات والعزیٰ من اعناقکم وحلفائکم من الجن"

لوگو! اس کی نہ سننا یہ تمہیں ادھر بلاتا ہے کہ لات اور عزیٰ اور ان بھوتوں کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں سے توڑ کر پھینک دو جو تمہارے دوست ہیں۔

کا غوغا مچاتے ہوئے ابولہب پتھروں سے مارتا اور اتنا مارتا کہ

"حتی ادمی کعبیہ" "ٹخنے خون آلود ہو جاتے۔"

مگر یہ منفی عمل کی گھڑیوں کا تماشا تھا، اب اسی عمل کا رد مثبت شکل میں شروع ہو چکا تھا غیب اور اس کے سارے مدارج تسخیری قوت کے آگے جھک چکے تھے اور اب محسوس و شہادت کی حد شروع ہوتی ہے، پھر دیکھو! غیب میں جس طرح سب سے پہلے وہ دیا گیا تھا جو سب سے بڑا تھا، شہادت میں بھی اس کے قدموں پر سب سے پہلے جو گرے یا گرائے جاتے ہیں ان کا تعلق جمادات و نباتات حیوانات سے نہیں بلکہ ان سے ہے جو ان سب میں بڑا گنا گیا۔

انصار مدینہ کی پہلی ملاقات

رات کا وقت ہے، چاند کی روشنی میں، اونٹوں کے درمیان قبائل کے خیمے چمک رہے ہیں، پچھلے موسموں میں تقریباً ان میں سے ہر ایک نے جس کو ڈھکیلا تھا، وہی اسی رد عمل کے ساتھ اب ان میں آتا ہے کسی بڑے مجمع کی طرف نہیں بلکہ دس یا دس آدمیوں سے بھی کم کی ایک ٹولی پر نظر پڑتی ہے، قریب آتے ہیں پوچھا جاتا ہے: "من انتم" (تم لوگ کون ہو)

ٹولی والوں میں سے ایک کہتا ہے: "من الخزرج" (خزرج قبیلہ کے لوگ ہیں)

"کیا تم بیٹھ سکتے ہو، تم سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں" "ہاں! کیوں نہیں" جواب ملتا ہے، "کیا اللہ کی طرف آتے ہو؟" "خدا کے سامنے جھکتے ہو؟"

دس گیارہ سال تک اسی میدان میں، اسی موسم میں، کیا کچھ نہیں کہا گیا، کیا کچھ نہیں کیا گیا لیکن کچھ نہیں ہوا

اسی میدان میں، اسی موسم میں، اسی ہوا میں، اسی فضا میں، آج چند لمحے میں، یہ چند الفاظ زبان سے نکلتے ہیں، پھر دیکھئے جن پر، جن کے قدموں پر غیب گر چکا تھا، ان ہی قدموں پر شہادت والے آج گرتے ہیں، اور اس طرح گرتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں اٹھیں گے۔

انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کچھ کہا، ایک لمحہ یہ تھا، اور دوسرا لمحہ یہ تھا کہ جس کو سب نے لوٹا یا تھا اس کے آگے ہی ٹولی لوٹ رہی تھی، جو کچھ کہا جا رہا تھا، دہرا رہی تھی، خدارا بتاؤ کہ اگر یہ صرف عمل کا ردعمل نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ دس سال تک مکہ والوں نے کیوں نہیں مانا، اور دس منٹ بلکہ اس سے بھی کم مدت میں ان لوگوں نے کیوں مان لیا، کس کے بس میں ہے جو اسباب کی روشنی میں اس عقدہ کی گرہ کھول سکتا ہے، مکہ والوں میں کیا نہیں تھا، جو ان میں تھا، غریب یہ تھے تو کیا وہ امیر تھے، باہمی خانہ جنگیوں سے یہ برباد تھے تو کیا وہ آباد تھے، بہر حال یہ چھ آدمی تھے ان کا گھر وہاں تھا، جس کا زمین کے چالیس پچاس یا ساٹھ ستر کروڑ دلوں میں آج گھر ہے اور کیسا مضبوط اور کیسا مستحکم گھر ہے (نورہا اللہ تعالیٰ وحماہا)

نصرت و امداد کی آواز ان ہی کی زبانوں کی پہلی آواز تھی جو بغض و عداوت کے دہ سالہ مسلسل شور و ہنگامے کے بعد ان چھ آدمیوں کے دل سے آج نکلی ہے، تاریخ نے اس کو نوٹ کر لیا اور ابد تک کے لئے جریدۂ عالم پر ان کا نام انصار ثبت کر دیا گیا۔

الغرض جو حرکت غیب میں پیدا ہوئی تھی، آج شہادت میں آ گئی، اب یہ بڑھے گی، چڑھے گی چڑھتی چلی جائے گی، اس کے نیچے انسان بھی آئیں گے، حیوان بھی آئیں گے، جمادات بھی آئیں گے، الغرض وہ سب آئیں گے جو آ سکتے ہیں اور قطعاً آئیں گے، مگر جو آگے تھے وہ پیچھے ہوں اور جو پیچھے ہیں وہ آگے ہوں۔ ذرا اس صف کی ترتیب قائم ہونے دو پھر دیکھنا جو کچھ دکھایا جائے اور سننا جو کچھ سنایا جائے۔

میں کہتا آ رہا ہوں کہ ماننے سے وہ گریز نہیں کر سکتا جس نے جان لیا جس ہوا میں تو سنو لیں

چکی ہے اس کے سونگھنے کے بعد کیا کوئی اس خوشبو کے ماننے سے انکار کرسکتا ہے، الگ بات ہے کہ کسی میں اس سونگھنے کی قوت ہی نہ ہو، لیکن جس کا شامہ ماؤف نہیں ہے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس ہوا میں بو نہیں ہے، یا وہ بدبو ہے -

پھر جس میں "سچائی" کے احساس کا "حاسہ" موجود ہے، جب "سچ" کو اس کا یہ حاسہ نکل چکا اب اس کے بعد اسی "سچ" سے لگنے کی کیا صورت ہے، جو اپنے اندر بھوک کو پا چکا، کیا مشکل ہے کہ اس کے پانے کو وہ جھٹلائے - زبان سے ممکن ہے لیکن دل سے کیسے جھٹلا سکتا ہے -

پھر جب مکہ والوں نے جس کو دیکھا، اس وقت سے دیکھا جب وہ ان میں بے باپ کا ہوا اور بے ماں کا ہوا، انہوں نے اس کو جانا، اس وقت سے جانا جب شہر کی صبح کو بیابان میں چوپایوں کے ساتھ گذار کر شام کرتا تھا، انہوں نے اس کا تجربہ کیا اور اس وقت سے تجربہ کیا، جب وہ اپنے اندر سے صرف امانت کی شعاعیں اور صداقت کی کرنیں ان کے اندر مسلسل جذب کر رہا تھا - اس عجیب نظارہ کے وہی گواہ تھے جو انہی کی آگے مکہ کا سب سے بڑا خود حجاز کا سب سے بڑا امیر کر دیا گیا تھا[1]

---

[1] اسی کا اتنا سخت اثر تھا کہ قیصر روم کے دربار میں آپ کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان سے جب آپ کی راستبازی کا حال خود قیصر نے پوچھا تو ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں جھوٹ بولنا چاہتا تھا لیکن اس خوف سے کہ جو لوگ میرے پیچھے کھڑے ہیں مجھے جھٹلا نہ دیں، جھوٹ نہ بول سکا، اور سچ کا اظہار کرنا پڑا کہ اب تک ہم میں سے کسی کو اس سے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہے، واقعہ مفصل بخاری شریف میں ہے ۱۲

یہ بیان اس وقت کا ہے جس وقت قیصر کو نامہ مبارک ملا، اس سے پیشتر صفا کی پہاڑی پر جب منادی کی گئی اور مکہ کے تقریباً ہر خاندان والوں کو پکارا گیا اور پوچھا گیا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے، تو بالاتفاق آواز آئی "ماجربنا علیک الاصدقا"، ہم لوگوں کو تمہارے متعلق سچائی کے سوا کسی اور بات کا کوئی تجربہ نہیں ہے ۱۲

لیکن ان ہی کے سامنے اس امیر نے (۱) صلۂ[1] رحمی (۲) حمل کل (۳) کسب معدوم (۴) قری ضیف (۵)، اعانت علیٰ نوائب الحق کے بہتے ہوئے دھاروں میں سب کچھ بہا کر اپنے کو غریب کر لیا تھا اور ایسا غریب کر لیا تھا کہ "اس کے پاس سفر کے لئے گدھیا بھی نہیں" کے ساتھ اس کے ہم عصر امیروں نے ٹھٹھا کیا، حالانکہ چاہتا تو اس گنج سے گنج اسی طرح گھسیٹ سکتا تھا کہ جس طرح اس کے شہر والے بلکہ گھر والے[2] اپنی امارت سے غریبوں کی غربت میں اضافہ کر رہے تھے، یا دولت کے اس آئینہ میں بدہیئتوں کا تماشا کر رہے تھے، ان سب مشاہدات کے بعد انہوں نے حرا کے دعویٰ کی جانچ کے لئے جو کچھ کرنا چاہا کرتے رہے بغیر کسی دقیقہ کے دس گیارہ سال تک کرتے رہے، انہوں نے دے کر دیکھا، لے کر دیکھا جن جن شکلوں جن جن صورتوں کے ساتھ چاہا بغیر کسی روک ٹوک کے دیکھا، رگ رگ کو الگ کر کے دیکھا، ریشہ ریشہ کو جدا کر کے دیکھا، اس نے اپنے اندر کو باہر نکال کر سب کے سامنے رکھ دیا تھا وہ اس کو ٹٹولتے رہے، دلتے رہے، مسلتے رہے، گھستے رہے، رگڑتے رہے، مگر تجربات کے اس عریض و طویل سلسلہ کے بعد بھی ان کو، ان میں ہر ایک کو، اس کے

---

[1] یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے اس ریویو سے ماخوذ ہے جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ جب آپ غار حرا سے پہلی وحی کے بعد گھر آئے اور گھبراہٹ کا اظہار فرمایا، اس وقت آپ کی پندرہ سالہ زندگی کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو رپورٹ کی اس کے الفاظ یہی تھے، صلۂ رحمی کے معنی ظاہر ہیں حمل کل کے معنی بوجھ اٹھانا، یعنی یتیموں، غریبوں، بیکسوں کا بار اٹھاتے تھے، کسب معدوم کے معنی میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میرے خیال میں اس کا ترجمہ بیکاروں کو کموا دینا، بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دینا ہے، قری ضیف کے معنی مہمان نوازی، اعانت علیٰ نوائب الحق واقعی مصائب میں امداد دینا ۱۲ [2] عرب عام طور سے سود خواری میں مبتلا تھے، اور مکے سود خواروں میں سب سے بڑا سود خوار ابولہب تھا ۱۲۔

لن میں کیا ہمیشہ وہی نہیں ملا، جو وہ ظاہر کرتا تھا۔ بلاشبہ جب اس کو دیا گیا تب بھی وہ سچ تھا، اور اس نے جب لیا گیا تب بھی وہ سچ ہی تھا۔

یقیناً اس سے زیادہ جانچا نہیں جا سکتا، جتنا انہوں نے جانچا، اس سے زیادہ جانا نہیں جا سکتا جتنا انہوں نے جانا۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جنہوں نے بعد کو مانا، اس وقت انھیں نے کیوں نہیں مانا، آدمی کے دل کی سرشت انسانی قلب کی فطرت یہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن اسی کے ساتھ شاید اس پر غور نہیں کیا گیا کہ جو جانتا ہے وہی مانتا ہے، پھر جس نے نہ جانا، اگر اس نے نہ مانا تو اس کا اس نے انکار کیا؟ بلاشبہ ان کے دلوں نے جانا تھا، پھر اگر ان کی زبانوں نے نہ مانا تو یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دلوں نے بھی نہ مانا تھا۔

کیا زبان دل ہے؟ یا دل زبان ہے؟ کاش ایسا ہوتا، لیکن دنیا میں پھر "جھوٹ" کا گھونسلا کہاں بنے گا؟

"ظلم" کے نشہ میں جب مخمور ہو، "علو" کے مواد فاسد سے جب معمور ہو، ماننے والے دل کا جب یہ حال ہوتا ہے، تو میرا نہیں دلوں کے بنانے والے کا بیان ہے کہ اس وقت دل مانتا ہے اور زبان انکار کرتی ہے۔

ان کے دلوں نے اس کو مانا تھا، کہ دلوں نے جانا تھا انہوں نے ان کے دلوں نے اس کو یقیناً مانا تھا، مگر "جو بڑا ہے وہ بڑا ہی رہے گا، اور "جو چھوٹا ہے، اس کے سامنے بڑا اپنی بڑائی سے دست بردار نہیں ہو سکتا"[1]

---

[1] قرآن کی آیت ہے وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا، انہوں نے اس کا انکار کیا اور خود ان کے دل اس کو مان رہے تھے (انکار) ظلم اور بڑائی کی وجہ سے کرتے تھے ۱۲۔

"علا" اور "سربلندی" کے اس نشہ پر ابھی کوئی ترشی نچوڑی نہیں گئی تھی، اگرچہ قریب ہے کہ نچوڑ دی جائے، پھر اگر بدمستی کے اس عالم میں ان کی زبانیں لڑکھڑا لڑکھڑا کر ان کے دلوں سے ٹکراتی تھیں تو پندار کے متوالوں کو کب نہیں اس بدحالی میں پایا گیا ہے؟

تنازعنا نحن وبنو عبد مناف اطعموا فاطعمنا — ہم میں اور عبد مناف کے لڑکوں میں مقابلہ ہوا ہوا
حملوا فحملنا اعطوا فاعطینا حتی اذا تحاذینا — کھلایا تو ہمنے بھی کھلایا انہوں نے سوار کیا تو ہمنے بھی سوار کیا
علی الرکب وکنا کفرسی رهان قالوا منا نبی — انہوں نے دیا تو ہمنے بھی دیا، پھر جب ہمنے ان کے
یاتیه الوحی من السماء فمتی ندرک — کندھے سے کندھا ملا لیا اور گھوڑ دوڑ کے میدان
مثل هذا والله لا نؤمن به — کے دو برابر گھوڑوں کے مانند ہوگئے تو اب عبد مناف
ابدا ولا نصدقه — والے کہتے ہیں ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے بھلا ہم ایسا کہاں سے پائیں، قسم خدا کی ہم اس کو بھی مان سکتے، ہم اس کی تصدیق نہیں کرسکتے۔

دیکھو! ابوجہل کا یہ مشہور تاریخی اقرار کیا اس کا اقرار نہیں ہے کہ اپنے جہل اور ہٹ دھرمی کے تہ میں "بڑائی" اور "علو" کے خمار کے سوا وہ خود بھی کچھ نہیں پاتا تھا۔

اور جہاں بعضوں میں یہ تھا کچھ ایسے بھی تھے جن میں جلنے کے بعد اوہام و وساوس کے بھپارے اٹھ اٹھ کر ان کو ماننے سے روک لیتے تھے۔

آخر سادہ لوحوں کا وہ گروہ جن تکذیب کرنیوالوں کی یہ تصدیق بیقین مسرت کے ساتھ نقل کرتا ہے کہ جن کو ہم مانتے ہیں ان کے متعلق کار لائل بھی یہ جانتا تھا۔

"وہ زندگی کا ایک جگمگاتا ہوا انگارہ تھا جسے قدرت نے اپنے سینے سے پھاڑ کر دنیا کو روشن کرنے کے لئے پھینکا تھا، وہ جو جہان کے پیدا کرنے والے کے حکم سے جہان کو روشن

کرنے کے لئے آیا تھا.... موجودات کا عظیم راز ہیبتناک مگر تابناک راز اس کی آنکھوں کے سامنے چمک اٹھا.... اس کی اپنی روح کو جو خدا کی الہامی قوت اس کے اندر موجود تھی، اس نے اس کو جواب دیا۔"

ورکونی آرتھر نامی ڈاکٹر بھی اس کو اس قدر پہچانتا تھا:۔

"محمد صاحب گہرے سے گہرے معنوں میں ہر زمانہ کے لئے ہر حیثیت سے سچے سے سچے زیادہ سے زیادہ صداقت رکھنے والی روحوں میں سے تھے وہ صرف عظیم اور برتر آدمی نہ تھے بلکہ بنی نوع انسان میں بڑے سے بڑے یعنی سچے سے سچے آدمی کبھی پیدا ہوتے ہیں، ان میں ایک تھے۔"

اتنا جاننے کے بعد اتنا پہچاننے کے بعد خود ہی بتاؤ کہ انہوں نے اس کو مانا کیوں نہیں؟ وہ ان کے ماننے کے لئے بھی آیا تھا جس طرح دوسروں کے لئے اس کا ماننا ضروری تھا۔

مگر نہیں جس قدر انہوں نے جانا تھا، اگر اسی پر قائم رہتے تو ماننے پر وہ بھی مضطر ہو جاتے جیسا کہ ماننے والے مضطر ہوئے، لیکن وہ "علم" کے نشان زدہ حدود پر نہیں ٹھہرے "علم" کے ساتھ انہوں نے "وہم" کو شریک کیا، "وہم" نے ان کو "ظلم" کے کرارے پر لاکر پھسلا دیا، دیکھو! محرومی کے گڑھوں میں منھ کے بل گرے ہوئے ہیں، انھوں نے جانا مگر جاننے کے بعد "ظلم" کے اندھیرے نے ان بدبختوں کو ماننے سے محروم رکھا، انہوں نے وسوسہ پکایا اور بولے کیا ضرور ہے جس کا "دل" ایسا ہے اس کا "دماغ" بھی ایسا ہی ہو،

جن کے سامنے "مکہ" بھی گذر چکا اور "مکہ" میں جو کچھ گذرا وہ بھی گذر چکا "مدینہ" بھی گذر چکا، اور "مدینہ" میں جو کچھ گذرا وہ بھی گذر چکا، جب ان میں شک کا "بخار" اٹھا، اور اس وقت تک اٹھ رہا ہے تو جو ابھی "مکہ" ہی میں تھے، مدینہ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا، کیوں

اچنبھا ہوتا ہے، اگر اوہام کی تاریکیوں میں پھنس کر انہوں نے ٹھوکر کھائی اور باوجود
کے تجربات و مشاہدات کی اس تیز روشنی میں پہچاننے کے، ماننے سے وہ ہچکچاتے رہے، ان
"علم" میں بھی "ظلم" ہی کی "ظلمت" شریک ہوئی اور جو چیز سامنے آچکی تھی، جس پر پردہ

دار الندوہ کا آخری فیصلہ اور ہجرت

حالانکہ عمل کا ردِّ عمل شروع ہوچکا تھا اور اس کا طوفان غیب سے
تانتا ہوا شہادت کے ساحل سے ٹکرا رہا تھا، مگر انہوں نے اس کا اندا
نہیں کیا، اور جس طرح اب تک اس سے ٹکرا رہے تھے پھر ٹکرانے پر آمادہ ہوئے۔

"منی" کے میدان میں تسخیری قوت کا جو مظاہرہ ہوا تھا اس نے ان میں اور
پیدا کی، ان کو اپنی بڑائی کی بربادی کا اندیشہ ہوا اپنے "ضمیر" کے صادق احساس پر اپنی
اوہام کی پٹی باندھ کر وہ اندھے بنے، اور "لوٹنے" کے جس پھینکے ہوئے پتھر پر اس کے پہل
نے ..... تعجب کیا تھا کہ جس پر وہ گرتا ہے وہی چکنا چور ہوجاتا ہے سب مل کر آخری دفعہ
ٹوٹ کر گرے، جمہوریہ قریش کا مشہور اور منحوس "رزدلیوشن" پاس ہوگیا۔

کس قدر عجیب ہے وہی جو ابو طالب کی گھاٹی میں جس کے پانی کو روک سکتے تھے
کھانے کو روک سکتے تھے، کر اس وقت ان کو اس کی اجازت تھی کہ وہ "ردِّ عمل" نہیں بلا عمل کا
تھا، لیکن آج دیکھو! ردِّ عمل کے زور کو دیکھو کہ آج وہی کھڑے ہیں "مکہ" کے ہر گھر کے
کھڑے ہیں۔ کھنچی ہوئی تلواریں لئے کھڑے ہیں "مکہ" سے ہیل دو میل کسی ایسی گھاٹی کی نا
بندی کے لئے نہیں کھڑے ہیں کہ جس میں پہنچنے کے لئے بیسیوں راستے اور درّے ہیں، بلکہ
مختصر سے گھر کے دروازے پر کھڑے ہیں، لیکن جس کے پانی بلکہ جس کے خادموں کے پانی اور
کو متعدد راہوں والی گھاٹی میں روک سکتے تھے، آج خود اس کو روکنے پر قادر نہ ہوسکے
رہے تھے لیکن سوتے ہوئے تھے دیکھ رہے تھے لیکن نہیں سوجھتا تھا، جس کو سب کچھ دیا تھا

تھا اس کی جان تو خیر اب اس کے قدم کی خاک بھی اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پر نہیں مل سکتے تھے جب تک وہی نہ مل دے[1]

ہجرت کا آغاز اور اس کے واقعات

جس کے آگے "نجیب" جھک چکا تھا "شہادت" جھک چکی تھی "ملا، اعلیٰ، ادنیٰ" جھک چکا تھا۔ "جن" جھک چکے تھے "انس" جھک چکے تھے "دل" ڈھونڈھتا ہے کہ اس کے آگے "جمادات" بھی جھکیں، "نباتات" بھی جھکیں، "حیوانات" بھی جھکیں، "درند" بھی جھکیں "دوندہ" بھی جھکیں، "پرند" بھی جھکیں، الغرض جو بھی جھک سکتے ہیں، سب جھکیں؛ اور کیا یہ صرف عقل ہی کا تقاضا ہے، جن کے کان ہیں سنیں :۔

الیّ یا رسول اللہ (میری طرف تشریف لایئے اے اللہ کے رسولؐ) "حراء" کی جماری چٹانیں چلا رہی ہیں، "ثور" کا پہاڑ بھی یہی پکار رہا ہے، آخر وہی مسعود ہوا، جو محروم تھا "حراء" میں نہیں جہاں رہ چکے تھے، بلکہ غار "ثور" کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور کیا صرف یہی سنا گیا، کیا اسی کے ساتھ یہ بھی نہیں دیکھا گیا کہ اسی غار کے دہانہ پر جس میں ملائکہ کا مسجود تھا، قدرت کا مقصود تھا، ہرے بھرے درختوں کی ڈالیاں سربسجود ہیں۔ اس "نباتاتی" سجدے کے بعد "حیوانی" قوتوں کو "دوندوں" کی شکل میں بھی "پرندوں" کی شکل میں بھی، محو نیاز و مصروف کار پایا گیا، جلیل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن ارقم، مغیرہ بن شعبہ، انس بن مالک سب ہی اس کے راوی ہیں۔[2]

اسی غار میں سلیمان علیہ السلام کی چیونٹیوں کی طرح غریب مکڑیوں نے سلیمان علیہ السلام کے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر مبارک پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سلا کر جب گھر سے نکلے تو کافروں کا جو گروہ گھر کو گھیرے ہوئے تھا اُن کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ۱۲ [2] قاضی عیاض نے شفاء میں، زرقانی نے شرح مواہب میں، سہیلی نے روض میں آثار صحیحہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے ۱۲

[2] زرقانی نے قاسم بن ثابت بن حزم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ بیول یا مدار کے درخت تھے، عنکبوت اور غار پر درخت کی شاخوں کے جھکنے کا ذکر امام احمد بن حنبل کی مسند اور مسند بزار کی حدیثوں میں ہے ۱۲

محبوب "خلق محمد کریم" صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کیلئے وہ گھر پیش کیا جو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور تھا لیکن آج دنیا کا یہی "اوہن البیوت" چھپا گھر خدا جانے کتنے سنگین قلعوں کی بنیاد قرار پایا۔ اسکے بعد اس گھر کے بعد دہلی میں آگرہ میں "دره دانیال" میں "جنوب" میں "شمال" میں یہ جو لال اور پیلے سفید وزرد قلعے بنے، اور انشاءاللہ بنتے چلے جائیں گے۔ ان تمام قلعوں میں سب سے پہلا قلعہ کیا کمزور مکڑیوں کا ہی کمزور جالانہ تھا، کون کہہ سکتا ہے کہ آج اگر یہ نہ ہوتا تو اس کے بعد جو کچھ ہوا ہو سکتا تھا؟ چھوٹے کو بڑا بنانے والا، بڑوں کو چھوٹا بنانے والا ہمیشہ یہی کرتا رہا ہے کرتا رہے گا، فسبحان اللہ جلت عظمتہٗ اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن حماموں (کبوتروں) کی حمایت دنیا کی اسلامی طاقتوں کا آج متفقہ فیصلہ ہے، حرم کعبہ کے یہ کبوتر اس جوڑے کی نسل سے نہیں ہیں جس نے ان طاقتوں کے پیدا کرنے والے کی کبھی حمایت کی تھی، جو جانتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں۔ پھر میں ان سے کیا پوچھوں جو نہیں جانتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ جو سب کیلئے تھا "عالمین" کی اس رحمت کیلئے اگر سب ہو رہے ہیں۔ سانپ اور سانپ کے زہر اسکے لب دہان کی جنبش سے بھاگتے ہیں، زمین اس کے اشارہ کے حکم سے سراقہ کے گھوڑے کی ٹانگوں کو

---

[1] علامہ زرقانی محدث جلیل نے اس پر بحث کی ہے کہ غار "ثور" کے دہانہ پر کبوتر کے جس جوڑے نے انڈے دے کر ان کو سینا شروع کیا تھا، حرم کے لاکھوں کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں، واللہ اعلم بالصواب ۱۲

[2] یہ سارے واقعات سفر ہجرت میں پیش آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس سوراخ کو پاؤں کے انگوٹھے سے بند کیا تھا اس میں سانپ تھا اس نے کاٹ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا دیا، تکلیف جاتی رہی اور آج تک صدیقی خاندانوں میں اس کا نشان پایا جاتا ہے۔ محدث جلیل شوق نیموی نے اپنے پاؤں میں اس نشان کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ میں سراقہ بن جعشم بد و کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب پر آمادہ کیا لیکن اس کا گھوڑا تین دفعہ زمین میں دھنسا، پھر امان مانگ کر سامنے آیا، ام معبد کے خیمے میں ایک بانجھ بکری بندھی تھی ام معبد کی اجازت سے اس کا دودھ نکالا گیا حضور نے بھی پیا اور آپکے رفقاء نے بھی۔ یہ سارے واقعات بخاری اور حدیث اور سیر کی کتابوں میں موجود ہیں اور مشہور ہیں ۱۲

نکلتی ہے۔ ام معبد کے خیمہ کی بانجھ بکری کا تھن دودھ سے بھر تا ہے، جہاں اترنا تھا اور جہاں سے اترنے کے بعد پھر حشر ہی میں اٹھنا تھا، اس کو ایک بے زبان اونٹنی پہنچاتی ہے۔ تو بتاؤ کہ آخر عقل اس کے سوا کیا سوچ سکتی ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب "اول" نے "ثانی" سے کہا، اس "ثانی" سے کہا جو زندگی میں اس کا ہر بات میں "ثانی" تھا، اور مرنے کے بعد بھی "ثانی" ہے تو کیا یہ واقعہ نہ تھا صرف طفل تسلی تھی، حالانکہ جس نے کہا: وہ طفل تھا اور جس کو کہا گیا وہ بھی طفل نہ تھا، (اللہم صل علیہ وسلم وارض عن صاحبہ)

جب وہی ہو، جس کو ہونا چاہیے تو تم مبہوت ہوئے، پھر تم کیا یہ چاہتے ہو کہ وہ ہو جس کو نہیں ہونا چاہیئے یا جو نہیں ہو سکتا ہے، تم کو کسی غریب بکری اور مسکین اونٹنی پر حیرانی ہے، پھر سر پیٹو گے، کیا اپنے بال نوچو گے؟ جب اس کے قدموں پر اس کے خادموں اور ادنیٰ خادموں کی جوتیوں پر عرب نثار ہو گا، عجم نچھاور ہو گا، کسریٰ گرے گا، قیصر جھکے گا،

اور دیکھو کہ یہ سب تو ہو بھی چکا اور جو نہیں ہوا ہے وہ بھی ہو کر رہے گا، یہاں بھی یہی ہوگا، وہاں بھی یہی ہو گا۔ جس صحیح حدیث میں ہے کہ:-

"ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ" (صحاح) (آدم اور جو آدم کے بعد ہیں سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے)

تو کیا اسی صحیح روایت میں یہ بھی نہیں ہے:-

"لایبقٰی علی وجہ الارض لابیت مدر ولا وبر الا دخلہ الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل" (مسند احمد) روئے زمین پر کوئی گھر یا کوئی خیمہ ایسا نہیں باقی رہیگا جس میں اسلام داخل ہو کر رہے جو عزت سے چاہیگا وہ عزیز ہو کر، جو ذلت سے چاہیگا ذلیل ہو کر

جس کا ذکر بلند کیا گیا ہے بلند کرنے والا اپنے اس نور کی روشنی کو پوری کر کے رہے گا،

"ولو کرہ الکافرون"

سفر ہجرت میں سراقہ سے گفتگو

پھر یہ نہ کہو کہ جو کچھ دیکھا گیا ہونے کے بعد ہی دیکھا گیا، حالانکہ یہی چٹیل میدان ہے جہاں دیکھنا تو کیا معنی سوچا بھی نہیں جاسکتا لیکن جو بات سوچی نہیں جا سکتی، ہونے سے پہلے دیکھی گئی اور اس یقین کی روشنی میں دیکھی گئی کہ کہا جا رہا تھا اور بغیر کسی تذبذب کے اس کو کہا جا رہا تھا جس کا گھوڑا دھنس گیا تھا سنتے ہوئے امان عطا فرمانے کے بعد اسی کو فرمایا جاتا ہے،

"کیف بک اذا لبست سواری کسریٰ" (سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن پہنے گا)

چکرا گیا، بدلجی دہقان، سراقہ بن جعشم چکرا کر پوچھنے لگا:-

اکسریٰ فارس؟ (کیا ایران کا کسریٰ؟)

پھر اور کون؟

ھلک کسریٰ فلا یکون کسریٰ بعدہ — کسریٰ ہلاک ہو گیا، اسکے بعد کسریٰ نہ ہوگا

وقیصر لیھلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ (صحاح) — پھر کچھ دن بعد قیصر بھی یقیناً ہلاک ہوگا، پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا،

کے اعلان کرنے والے یتیم ابی طالب نے (سلام ہو ان پر، صلوٰۃ ہو ان پر) اسوقت جواب دیا جب مدینہ کے ریگستان میں قرض کی خریدی ہوئی ایک اونٹنی کے سوا جن کے پاس کچھ نہ تھا، پھر جب ہونے کے بعد اسی واقعہ کو مدینہ کی مسجد میں اس طرح دیکھا گیا کہ وہی تاج جو سونے[1] کی زنجیروں میں بندھا ہوا

---

[1] کہا جاتا ہے کہ سونے اور جواہرات کے بوجھ سے کسریٰ کا یہ تاج اسقدر بھاری ہو گیا تھا کہ سر پر رکھا نہیں جاسکتا تھا بلکہ سر ہی کو اس میں داخل کیا جاتا تھا، تاج زنجیروں سے چھت میں لٹکا رہتا تھا ۱۲

کج کلاہ ایران کے سر پر لٹکا رہتا تھا، اسی مُدلجی دہقان کے سر پر رکھا ہوا ہے، جواہر نگار کمربند اس کی کمر سے باندھی گئی ہے، زیور پہنائے گئے ہیں تو کرۂ زمین کا جو سب سے بڑا بادشاہ تھا، کتنی پستی کے لہجہ میں کہہ رہا تھا" سراقہ ہاتھ اٹھا اور بول اللہ اکبر، اسی کیلئے ساری ستائش ہے، جس نے کسریٰ سے چھینا، اور مالک بدو کے بیٹے اس سراقہ کو پہنایا جو بنی مدلج کے گنواروں کا ایک گنوار ہے"۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے جاتے تھے۔

بہرحال قریش کا آخری منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پر پڑی ہوئی تھی، "مکی" زندگی ختم ہوگئی، اس زندگی میں جو کچھ دکھانا تھا، جن باتوں کا تجربہ کرانا تھا جس کی گواہیاں مہیا کرنی تھیں، سب کام پورا ہوگیا، بڑے صبر، بڑے سکون، انتہائی ثبات، کامل استقامت سے پورا ہوا۔

اور دیکھو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ جیسا کہ میں نے کہا تھا جو آگے تھے، پیچھے ہوگئے اور جو پیچھے تھے آگے ہوگئے، مدینہ ایمان سے بھر گیا، حالانکہ وہاں کے لوگ بعد کو آئے۔

لیکن جن میں وہ خود آیا تھا، بخت کی کوتاہی دیکھو کہ ان میں اکثروں کو اب تک ہوش نہیں آیا کہ بڑائی کے نشہ میں متوالے ہیں، کچھ تشکک کی چادر اپنے ایمانی احساس پر ڈالے ہیں، دل کے متعلق بالکل اطمینان ہے، لیکن "دماغ" سے ان کوتاہ نظروں کا دماغ کچھ بدگمان ہے۔

---

[1] یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے، چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سیاسی قوتوں کا مرکز دو قوتوں میں منقسم ہو کر رہ گیا تھا، سارا مشرق کسریٰ ایران کے، اور سارا مغرب قیصر روم کے زیر اثر تھا اور یہی دونوں قوتیں باہم کشمکش کر رہی تھیں کہ اسلام ظاہر ہوا اور خلافت فاروقی میں دونوں قوتیں برباد ہوگئیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوت تمام عالم کی سب سے بڑی قوت ہوگئی۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدنی زندگی

جن کوتاہ بینوں نے "دل" کا اقرار کیا تھا لیکن "دماغ" پر ان کو اب تک شک تھا، اب ان ہی تنگ نظروں کے لئے دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے، جس میں "دل" سے زیادہ "دماغ" ہی کی نمائش ہوگی، تاکہ وہ وہمی شوشہ بھی مٹ جائے، جس کے آڑ میں جاننے کے بعد نہ جاننے کے لئے چھپنے والے چھپ رہے ہیں،

اور دیکھو کہ دماغی تجربات بیّنہ کی اسی کشمکش سے وہ رسّی بھی نچوڑی جائیگی جس سے ان خود بینوں کا لشہ کھاڑا جائے گا، پھٹ جائے گا، جن کے پاؤں "سربلندی وعلو" کے خمار کے ہاتھوں جاننے کے بعد بھی نہ ماننے کے لئے اب تک ڈگمگا رہے ہیں، تاکہ حجّت پوری ہو:—

لیهلك من هلك عن	(جو مرنا چاہے وہ کھلے بندوں سب کچھ دیکھ
بينة ويحيى من حي عن	کر مرے اور جینا چاہے وہ بھی کھلے بندوں
بينة »	سب کچھ دیکھ کر جیے)

"مدنی زندگی" کے شروع میں جو یہ دکھایا گیا کہ "هوانی علی الناس" کے فرمانے کہ "الناس" اور "ناس" کے ساتھ جو کچھ میں سب پر اس کو وزن بخشا جا رہا ہے، یا طائف کی

گلیوں میں جو رد کیا گیا تھا، سلع پہاڑ کے دامن میں سب اسی پر رد کئے جا رہے ہیں، بھوکوں کے لئے روٹی لے کر دوڑے آتے ہیں، پیاسوں کے لئے پانی لے کر دوڑے آتے ہیں، گاتے ہیں بجاتے ہیں، باہم ایک دوسرے کو للکارتے ہیں، ابھی ابھی جن کو جمادی چٹانیں "ھلم الی یا رسول اللہ" کے ساتھ پکار رہی تھیں، اسی کو انسانی زبانیں آگے آگے بڑھ بڑھ کر ٹھیک اسی طرح

یا رسول اللہ ھلم الی القوۃ والمنعۃ (اے اللہ کے رسول زور اور حفاظت کی طرف آیئے)

عرض کرتے ہوئے جان حاضر کرتے ہیں، مال حاضر کرتے ہیں، تو یہ مدینہ کا نہیں بلکہ قرن الثعلب کے موڑ پر طائف سے نکلتے ہوئے جس عمل کا "رد عمل" "ملاء اعلیٰ" سے شروع ہوا تھا، یہ اسی تسخیری قوت کا ظہور ہے، جو "مکہ" میں بھی ظاہر ہوا "ثور" میں بھی ظاہر ہوا، "ثور" سے نکلنے کے بعد بھی ظاہر ہوا "قبا" میں بھی ظاہر ہوا، جہاں خالق کا جو دروازہ مخلوقات کے لئے بند تھا صدیوں کے بعد پہلی دفعہ قبا کی مسجد بنا کر کھولا گیا تا کہ جس کسی کو جہاں کہیں زمین پر قابو بخشا جائے پہلا کام یہی کرے اور اب مدینہ میں بھی اسی ردّ عمل کا ظہور ہو رہا ہے آئندہ ہوتا رہے گا، اسی کا ظہور "کوفہ" میں بھی ہوگا، "دمشق" میں بھی ہوگا، "بغداد" میں بھی ہوگا، "غرناطہ" و "قرطبہ" میں بھی ہوگا، "قاہرہ" میں بھی ہوگا، "غزنی" میں بھی ہوگا، "دہلی" میں بھی ہوگا۔ اور کیا بتاؤں کہ کہاں کہاں ہوگا، کب تک ہوگا، بلکہ سچ یہ ہے کہ ابد تک اب تو صرف اسی کا ظہور ہے، اسی کی نمود ہے، اسی لئے "مدنی زندگی" کے اصلی عناصر یہ واقعات نہیں ہیں بلکہ یہ تو "مکہ" ہی کے آثار ہیں، جنھیں تم اب "مدینہ" میں دیکھ رہے ہو، بلکہ "مدنی" زندگی میں تم کو وہ باتیں تلاش کرنی چاہئیں جن میں "دل" سے زیادہ "دماغ" کا "اخلاق" سے زیادہ "عقل" کا تجربہ ہو۔

"مکہ" میں جس طرح دیکھا گیا تھا کہ اس "دل" سے بہتر کوئی دل نہیں،

اسی طرح ان باتوں کا مطالعہ "مدینہ" میں کرو جن کو دیکھ کر کہا جائے کہ اس "دماغ"
سے بہتر کوئی "دماغ" نہیں۔

بنائے مسجد وصفہ

ظاہر ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ مسجد بنائی گئی اور
اس کے ساتھ "صفہ" کا مدرسہ بنایا گیا، لیکن کیا صرف مسجد بنائی گئی اور مدرسہ
بنایا گیا، مسجد اور مدرسہ کون نہیں بناتا، اور کہاں نہیں بنتے، پھر اس میں بڑائی کیا
ہے، باوجود استطاعت وقدرت کے پختہ اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی، بلکہ کھجور
کے تنوں اور شاخوں اور کچی اینٹوں سے بنائی گئی، بلاشبہ اس میں یہ نمونہ ضرور ہے
کہ مسلمان جس آبادی میں پہنچیں سب سے پہلے وہ اپنے گھر سے بھی پہلے وہاں خدا
کی عبادت کی مسجد کی نیو کھودیں کہ مسجد ہی اسلام کی میخ ہے، اسلامی آبادی بناتے
ہوئے سب سے پہلے چاہیئے کہ اس میخ کو ہر مسلمان اس جگہ گاڑ دے جہاں وہ آباد ہوتا
ہے۔ تعمیری تکلفات کی وجہ سے وقت نہ ہو اس لئے سب سے پہلی مسجد کا نمونہ وہ رکھا
گیا جسے ہر شخص گاڑ سکتا ہے، ہر جگہ گاڑ سکتا ہے، آخر تعمیری سامان کے لحاظ سے
جو مسجد بھی ہو گی اس سے کیا کم ہو گی جو مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد تھی، اور یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد مدرسہ کے ساتھ ہو، "علم دین" ہے، "دین علم" ہے
عملاً اس نمونہ سے اس کی تعلیم دی گئی،

تحویل قبلہ کا راز

میں نہیں کہتا کہ اس مسجد ومدرسہ کے بنانے میں یہ مصالح بھی پیش نظر
نہیں تھے، یا آئندہ مسلمانوں کو اس نمونہ کے پیچھے نہیں چلنا چاہیئے،
لیکن دیکھا گیا یہ سوچا نہیں گیا، آخر مسجد عرب میں بنی ہے، عرب میں کعبہ تو موجود تھا
جو صرف عرب جاہلیت ہی میں نہیں بلکہ اسلام میں بھی محترم تھا، لیکن باایں ہمہ

اس مسجد کا قبلہ عرب سے باہر فلسطین کی سلیمانی ہیکل کو کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔
لوگ سمجھے کہ صرف قبلہ مقرر ہوا لیکن یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ "وطنیت"
کا جو بت عرب میں صدیوں سے پوجا جاتا تھا اور اس زور و شور سے پوجا جاتا تھا کہ اس بت
کا پجاری اپنے سوا سب کو "عجم" اور "گونگا" سمجھتا تھا، دیکھو کہ صرف ایک ہی منطقی ضرب
نے اس بت کو پاش پاش کر دیا۔

جب قرآن میں ہے کہ ابتداءً عربوں پہ یہ غیر ملکی قبلہ گراں گذرا یہی تو غور کرنا
تھا کہ کیوں گراں گذرا؟ لیکن اب تو گراں ہیوں کے برداشت کا انہوں نے عہد کیا تھا
جھجکے، مگر اسی کے ساتھ ہی آگے بھی بڑھ گئے، اور جو لادا گیا، لاد لیا، سترہ مہینہ
تک اس وطنیت شکنی کی مشق نے جب ان کے لئے عرب اور غیر عرب کو ایک بنا دیا تو
اس سے بھی عجیب اور عجیب تر تماشا پیش ہوتا ہے۔

بیت المقدس کو قبلہ بنا کر عرب کے باشندے عرب سے الگ کئے گئے، لیکن
اب عرب ہی نہیں بلکہ عرب اور غیر عرب خدا کی ساری زمین سے یہ عرب اور غیر عرب
کا قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جاتا ہے، سترہ مہینے کے بعد قبلہ بدلتا ہے، اور
بجائے سلیمان کی ہیکل کے سلیمانؑ و داودؑ، اسحاقؑ و اسماعیلؑ کے باپ ابراہیمؑ کے
بنائے ہوئے کعبہ کو قبلہ ٹھہرا کر حکم دیا جاتا ہے،

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ

اور جہاں سے تم نکلے اسی جگہ سے تم اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف موڑ دو، اور جہاں کہیں رہو اے مسلمانو! تم سب اپنے چہروں کو اس کی طرف موڑ دو۔

کیا مقصد ہے اس کا؟ یہی کہ جو کعبہ سے باہر نکل گئے ہیں وہ بھی کعبہ کے اندر رہیں

اور جو کعبہ سے باہر تھے اپنے کو کعبہ کے اندر سمجھیں پہلے غیر عرب کو عرب بنایا گیا، اور جب ہو چکا تو پھر عرب اور غیر عرب سب کو مٹا کر نہ عرب ہی رہا نہ غیر عرب رہا بلکہ خدا کی جو ایک دنیا تھی وہ ایک ہی دنیا کی شکل میں واپس آ گئی۔ کعبہ دنیا کی مسجد کی دیوار ٹھہرایا گیا اور بسیط زمین اسی دیوار کا صحن قرار پایا۔ یہی ہر مسلمان سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے، وہ افریقہ کو بھی کعبہ میں سمجھتا ہے اور امریکہ کو بھی، اسی کے صحن کا ایک حصّہ قرار دیتا ہے، ایشیاء بھی اس کو کعبہ کی دیواروں کے نیچے نظر آتا ہے، یورپ میں بھی جب اس کو نماز کی ضرورت ہوتی ہے تو کعبہ کے آنگن میں کھڑا ہو کر وہ اپنی نماز ادا کرتا ہے، اور سٹ اسی کے صحن کا ایک ٹیلہ ہے، اور "بحر محیط" اسی صحن کا ایک حوض بحر قلزم اسی صحن کی ایک نالی ہے، ایک مسلمان اپنی زندگی کے ہر دن میں پانچ وقت اس نظریہ کی عملی شکل میں مشق کرتا ہے، اس کو یہی بتایا گیا ہے، صحیح حدیث میں ہے :۔

"جعلت لی الارض مسجدا" (پوری زمین میری مسجد بنائی گئی ہے)

مواخاۃ اور اس کا فائدہ

"وطنیت" کے اس صنم اکبر کو توڑنے کے ساتھ اب "قومیت" اور "نسلیت" کا بت سامنے آتا ہے۔ کس قدر سرسری طور پر لوگ گذر جاتے ہیں، جب سنتے ہیں یا کہتے ہیں کہ "مدینہ" میں انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا گیا تھا، ان میں عقد مواخاۃ قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ مہاجرین قریش اور قریشی نسل کے ساہوکار کعبہ کے کلید بردار تھے اور انصار قبیلہ اوس و خزرج کے کسان اور کاشتکار تھے، حالانکہ دونوں آدمی تھے، دونوں انسان تھے، لیکن جس طرح آریائی نسل والوں نے سامی نسلوں کو اور سامی نسلوں نے تورانی نسلوں کو یا برہمنوں نے شودروں کو، بے رنگوں نے رنگینوں کو، بھنگیوں نے کمینوں کو،

آدمی کی نہیں بلکہ گھوڑوں کی اولاد، بیل کی نسل سمجھا، اور اسی قسم بلکہ ان سے بدتر سلوک انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا جو ان کے ہم نسل ہم قوم نہ تھے۔

قریش کو اپنے نسب پر اپنے حسب پر بڑا ناز تھا، نسبی فخر ایک دیوتا تھا، جو صدیوں سے ان میں پوجا جاتا تھا، اور اس طرح پوجا جاتا تھا کہ غیر قریشی عربوں کے ساتھ یہ حج کرنے میں بھی اپنی اہانت محسوس کرتے تھے جس طرح آج بھی اجلے کالوں کے ساتھ دعا تک مانگنے میں اپنی ذلت سے ڈرتے ہیں، قریشی اس قبرستان میں بھی دفن ہونا ننگ خیال کرتے تھے جس میں کوئی غیر قریشی بیچارہ دفن ہوتا، جس طرح آج بھی شودروں کی مسان، برہمنوں، چھتریوں کے مرگھٹ سے دور ہوتی ہے، یہی مواخاۃ کا گرز تھا جس نے اس بت کو بھی ڈھیر کرکے رکھ دیا۔

قریشی سردار انصاری کسان کے آگے جھکا ہوا تھا، وہ اس کے ہاتھ چومتا تھا، اور یہ ان کے قدم لیتا تھا، یہ اس کو اپنا سب کچھ بلکہ تم نے سنا ہوگا کہ طلاق دے کر ایک بیوی تک دینے پر اصرار کرتا تھا اور وہ شکریہ کے ساتھ انکار کرتا تھا۔

اور یوں مخلوقات بلکہ اپنے خود ساختہ مخلوقات کے پنجوں سے آزاد ہوکر مدینہ والوں نے اپنے کھوئے ہوئے رب قیوم کو پالیا تھا، اسی کے بعد منادی کرادی گئی کہ اب دنیا ایک ہے، اس کا معبود ایک ہے، ان کا رسول ایک ہے، ان کی کتاب ایک ہے، ان کا کعبہ ایک ہے،

اذان کی ابتداء اور دیکھو کہ دن کے پانچ وقتوں میں کڑک کڑک کر گرج گرج کر بلند میناروں سے پکارنے والے مشرق میں، مغرب میں، زمین کے آخری کناروں تک یہی پکار رہے ہیں، پکارتے رہیں گے، کیا ناقوس سے، بوق سے، قرنا سے، گھنٹوں سے

طبل سے، نقاروں سے یہ بات ممکن تھی جس کی ابتدا، اذان کے عجیب و غریب ندائی طریقہ سے اسی کے بعد زمین پر اسلام کی سب سے پہلی مسجد میں کی گئی، متعدد وطنوں کا بت ٹوٹ گیا، متعدد نسلوں کا صنم چور ہو گیا۔

جو توڑے گئے تھے جٹ گئے، جو بکھیرے گئے تھے سمٹ گئے، الغرض جو ایک تھے وہ ایک ہی ہو گئے، اور اسی یکتائی کا خلاصہ وہ ہے، جس کا اعلان اذان کی شکل میں پانچوں وقت کیا جاتا ہے، محض فکر و خیال میں نہیں، بلکہ واقع میں، عملی طور پر، مدینہ میں دنیا کا یہ نقشہ قائم ہو گیا،

تبلیغ عام کا آغاز انسانیت کی آزادی کا یہی عالمگیر نقشہ تھا جس کو عالم پر منطبق کرنے کیلئے «کافۃ للناس» کا «بشیر و نذیر» اب «کافۃ الناس» کی طرف بڑھتا ہے، صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس کو اختیار تھا کہ «قرن الثعلب» کے پاس اس کو جو اجتبیں (دو بساط) دیے گئے تھے، ان ہی کو لے کر بڑھتا، لیکن یہ تو پھر دل کا امتحان ہو جاتا، حالانکہ اب تو صرف «دماغ» ہی کا تجربہ کرانا مقصود ہے، دکھایا جاتا ہے کہ جن کے دماغ کے یہ کارنامے ہیں اس کو مجنوں کہنے والے کیا خود مجنوں نہیں ہیں، جس کی عقل جس کے فہم کے یہ کرشمے ہیں، اس کے عقلی توازن میں نقص نکالنے والے کیا ایسے بدبخت خود عقلی توازن سے محروم نہیں ہیں۔

مشکلات راہ راستہ اگر صاف ہوتا تو اس وقت جو کچھ دکھایا ہے کامل طور پر دکھایا نہیں جا سکتا تھا، لیکن دیکھو! راہ میں کانٹوں کے جو تھے جنگل جب و راست اوپر اور نیچے ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہیں۔ وہ قصداً ان ہی میں گھس کر نکلتا ہے

اور کتنے شاندار طریقہ سے نکلتا ہے۔

بیابان کے ایک نخلستانی قصبہ کے ان کسانوں کی آبادی سے یہ تحریک عالم کی طرف یلغار کرتی ہے جو یہودی ساہوکاروں کے سود در سود کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، ان کی زمینوں میں پیدا ہی کیا ہوتا ہے۔

لیکن جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے، پیدا ہونے کے ساتھ یہودی قرض خواہوں کے گھر اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ اس چھوٹی سی آبادی کے دو خاندان اپنی خانہ جنگی میں رہے سہے جوانوں اور سرداروں کو بھی کھو چکے ہیں، ان کے ساتھ اپنے وطن سے وطن سے بچھڑے ہوئے کچھ لوگ اور بھی شریک ہیں، جن کی تعداد سو سے زیادہ نہیں ہے، ان کا یہ حال ہے، دوسری طرف سارا عرب ایک کمان بن کر اس تحریک کو اور تحریک والوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے، یہودی اپنی مہاجنی کی کساد بازاری سے گھبرا کر ان تمام قلعوں اور قلعہ والوں کو مخالفت کے نقطہ پر جمع کر رہے ہیں، جن کا سلسلہ مدینہ سے شروع ہو کر شام کے حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ مشکلات کا خاتمہ اسی پر نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ بتدریج مخالفت کی یہ آگ بڑھتے بڑھتے اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی مشرقی طاقت (ایران) اور سب سے بڑی مغربی قوت (روم) دونوں طاقتوں کو مدینہ کی بربادی پر آمادہ کر دیتی ہے۔

رومیوں کے گھوڑے مدینہ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر غسانیوں کے حدود پر ہنہنا رہے ہیں، اور کسریٰ کے چپراسی وارنٹ لئے مدینہ پہنچ کر دھمکا رہے ہیں کہ "مدینہ کے کسانوں کے سردار کو دربار شاہی میں گرفتار کر کے حاضر کیا جائے۔"

یہ ان کے شاہنشاہ کا فرمان ہے جو یمن کے گورنر باذان کے توسط سے مدینہ تک پہنچا ہے۔

یہ اس وقت کا سماں ہے جس وقت مدینہ میں "دماغ" کے تجربہ کے لئے نسل انسانی کو دعوت دی جاتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے۔

غزوۂ بدر | قیدار[۱] کی ساری حشمت جیساکہ یسعیاہ نبی نے کہا تھا، ایک سال ٹھیک مزدوروں کے ایک سال کے اندر بھس کی طرح جل کر راکھ ہو جاتی ہے، علو وکبریائی کا جولشہ ان کے قدم کو جمنے نہیں دیتا تھا پھٹ کر ہوا ہو گیا۔ جو سب سے بڑا[۲] تھا سب سے چھوٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ قریش کے ستر سورما مارے گئے اور یوں قیدار کی حشمت خاک میں مل گئی۔

وہی عرب جو ایک کمان سے تیر بن کر اس کونے کے پتھر پر گرے تھے جیسا کہ کہا گیا تھا جو اس پر گرتا ہے چور چور ہو جاتا ہے، چور چور ہو کر اس طرح بدلے کہ جو دشمن تھے وہ دوست ہو گئے۔ جن پر تلوار چلائی گئی وہ نہیں، بلکہ جنہوں نے تلوار چلائی انھوں نے مسلمان ہو کر ان جھوٹوں کو جھٹلایا جنہوں نے بازاروں میں پھیلایا تھا کہ جو کچھ پھیلایا گیا، تلوار کے زور سے پھیلایا گیا، مکہ میں جن سے چھینا گیا تھا

---

[۱] حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام قیدار تھا جن کی نسل سے قریش تھے اسی لئے بائبل میں ان کا ذکر قیدار کے لفظ سے کیا جاتا ہے ۱۲ [۲] ابوجہل جس کا دوسرا خطاب "فرعون ہذہ الامۃ" تھا، ایک کمسن انصاری لڑکے کی تلوار سے قتل ہوا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اس کا سر کاٹنا چاہا تو اس کا یہ مشہور فقرہ تاریخ میں محفوظ ہو گیا "سر دانی کی گردن سے ذرا نیچے سے تراشنا تا کہ مقتولوں کی صف میں جب میرا سر رکھا جائے تو اونچا نظر آئے"۔

سب کچھ چھینا گیا، پانی چھینا گیا، کھانا چھینا گیا، گھر چھینا گیا، در چھینا گیا، اور آخر میں جینے کا حق بھی چاہا گیا تھا کہ چھینا جائے، اور کتنوں سے چھینا گیا، دہکتی ہوئی آگ، چمکتی ہوئی تلواروں، کھنچے ہوئے کمانوں کے نیچے سے بھاگے ہوئے، پھر چمکتی ہوئی تلواروں اور کھنچی ہوئی کمانوں، تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں، لیکن لیتے ہوئے نہیں، دیتے ہوئے، اکڑے ہوئے نہیں، جھکے ہوئے، بدلہ چکاتے ہوئے نہیں، حط و عفو کرتے ہوئے :-

"ادخلوا الباب سجداً وقولوا حطۃ" | شہر کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور حطۃ (یعنی گناہوں اور قصوروں کو جھاڑتے ہوئے معاف کرتے ہوئے) داخل ہونا۔

کی تعمیل کرتے ہوئے، تفسیر کرتے ہوئے، رحم و کرم، صفح و اعراض، مغفرت و درگذر، امن و امان کے پھول برساتے ہوئے۔

الیوم یوم بر و وفاء الیوم | آج صلہ رحمی اور وفا کرنے کا دن ہے،
انتم الطلقاء | آج تم لوگ آزاد کئے گئے۔

کے موتی نچھاور کرتے ہوئے زمین پر انسانوں کے لئے جو پہلا گھر، مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی صرف خالق کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا اس میں لا الٰہ الا اللہ الحمد للہ وحدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ کہتے ہوئے سر بسجود ہو گئے، ابراہیمؑ کا بیت ایل پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کی گندگی سے پاک ہو گیا۔

عہد نبوت کے جہاد میں شہداء اور مقتولوں کی اٹھارہ سو تعداد

اور حیرت ہے کہ بکھرا ہوا وحشی عرب جس میں دہری، بت پرست، یہودی، عیسائی، صابی، نقل پرست

بھی ہیں، ان مختلف اقوام و قبائل کے باہمی انتشار، جنگ و جدال کو ختم کرکے ایک پُرامن آئینی نظام سلطنت کے ساتھ وابستہ کرنے میں جوٹوں نے جس قدر بھی جھوٹ چاہا پھیلایا لیکن واقعہ صرف اس قدر اور اسی قدر ہے کہ دس لاکھ مربع میل کی طویل و عریض سرزمین کا پایہ تخت جس وقت کساؤں کا وہی قصبہ ہوگیا تو دس سال کی اس لمبی اور دراز مدت میں وثنیوں (عربی ہندوؤں) یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں، سب میں سے امن و امان کی اس جدوجہد میں طرفین کے جتنے آدمی کام آئے ان کی تعداد کروڑ، لاکھ بلکہ دو ہزار چار ہزار بھی نہیں، اتنی بھی نہیں جتنی "نیویارک" کی سڑکوں یا "لندن" کی شاہراہوں پر موٹر کے نیچے سے روزانہ اٹھائے جاتے ہیں، یا ہندوستان کی معمولی جھڑپوں میں لاشوں کی جو فہرست تیار ہوتی ہے بلکہ کل لے دے کر سب کی کل تعداد، کل اٹھارہ سو ہے، یہ ہے خونی پیغمبر کا بہایا ہوا خون، یا قصابوں کی وہ دکان جس کے شور سے گنبد گردان بھی تھرا اٹھا ہے، غیر تو غیر اپنے بھی پریشان ہیں۔

اف! بر کندہ باد آنکھوں سے بد اندیشوں کو صرف وہی خون نظر آیا جہاں سے انسانیت کی مردہ لاش میں زندگی کا خون دوڑایا گیا، جہاں موت ہے مردوں کو، دل کے مردوں کو وہاں کی زندگی نظر آرہی ہے، اور جہاں سے صرف زندگی بٹی بنٹ رہی ہے، انصاف کرنے والوں نے کیا انصاف کیا، جو موت کی وادی کے نام سے انھوں نے دنیا میں اس کا پروپیگنڈا کیا، اٹھارہ سو طرفین کی اٹھارہ سو تعداد تو اس وقت ہے جب اس میں بلاوجہ بنی قریظہ کے ان یہودیوں کو بھی شریک کر لیا جائے جن کو خود ان کی کتاب اور ان کی شریعت نے

ان ہی کی مرضی سے اپنے ہی قانون کے رو سے اس وقت ناپید کیا جب سمجھا گیا کہ اس چھوٹی سی جماعت کی زندگی سے سارے عرب بلکہ ممکن ہے کہ عرب کے اطراف کی بڑی جماعت کی موت پیدا ہوگی، آخر جب تین کرور والے مقتولوں والی عالمگیر جنگ[1] کی آگ یہودی پھونک کی سلگائی ہوئی مانی جاتی ہے، تو اگر ان ہی یہودیوں کے متعلق یہ سمجھا گیا تو کیا غلط سمجھا گیا، اور صرف یہی نہیں اسی اٹھارہ سو میں بیچارے ان شہید معلموں کو بھی شمار کرلیا گیا ہے جن کو نجد والے اپنے ملک میں وعظ و تلقین، تعلیم و تذکیر کے لئے لے گئے، اور معونہ نامی کنوئیں پر ستر آدمیوں کو شہید کر دیا، ان ہی میں وہ دس مبلغ بھی ہیں جنہیں بے دردی کے ساتھ بلا وجہ رجیع کے مقام پر ذبح کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں کی طرف کے شہدا ہوئے، اسی طرح فریق ثانی کے ان مقتولوں کو اسی تعداد میں شریک کرلیا گیا ہے، جو بجرم قصاص یا ڈاکہ یا چوری مارے گئے یا گرفتاری کے سلسلہ میں قتل ہوئے، لوگ سوچتے نہیں ورنہ دس سال کی اس طویل مدت میں اگر جنگ کا اطلاق کسی معرکہ یا مہم پر ہوسکتا ہے تو وہ "بدر" ہے، جس میں بائیس مسلمانوں اور ستر قریش کے، اسی طرح "احد" میں ستر مسلمانوں اور تیس قریشیوں کے آدمی کام آئے بشرطیکہ ہزار پندرہ سو آدمیوں کے مجمع اور ان کی باہمی آویزش کا نام بجائے جھڑپ کے جنگ اور (بیٹل) رکھا جائے۔

بہر حال قریشیوں سے جو کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی، وہ اسی پر ختم ہوگئی نہ "خندق" میں بازار قتال گرم ہوا، نہ مکہ میں خونریزی ہوئی، اس کے بعد ایک دو معرکے یہودیوں سے

---

[1] یورپ کی گذشتہ عالمگیر جنگ کے متعلق محققوں نے بالآخر یہ ثابت کیا کہ اس کی تہ میں امریکہ اور یورپ کے یہودی ساہوکاروں کا ہاتھ تھا ۱۲۔

ہوئے جس میں خیبر سب سے اہم ہے، اس میں اٹھارہ مسلمان شہید اور ترانوے یہودی مارے گئے، عیسائیوں سے "موتہ" میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، لیکن اس گھمسان میں بھی کل مسلمانوں کے بارہ شہیدوں کا حال معلوم ہوا، اس کے سوا کچھ ڈاکوؤں کا تعاقب ہے، چوروں کا پیچھا کیا گیا، باغیوں کی سرکوبی کے لئے کوئی دستہ روانہ کیا تھا جس میں اکثر مواقع میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی - بہر حال اگر خالص لڑائی اور جہاد کے شہیدوں اور مقتولوں کا حساب کیا جائے تو ان کی تعداد پانچ چھ سو سے زیادہ اس کل دس سال کی مدت کے اندر سارے ملک عرب میں انشاء اللہ ثابت نہ ہوگی، حالانکہ مقابلہ میں عرب کے وحشی قبائل، طاقتور جمہوریتیں، اور بعض سلاطین بھی تھے لیکن جن کو طائف کے بعد سب کچھ دے دیا گیا تھا کیوں سوچا جاتا ہے کہ اس کو یہ کیونکر ملا، اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا جس کی زندگی کا ہر واقعہ اس کے کلمہ دعوت و دعویٰ "لا الٰہ الا اللہ" کی دلیل ہے، آخر ان واقعات میں بھی اسی کو کیوں نہیں ڈھونڈا جاتا - الغرض یہ ہیں کل دس سال اور وہ سارے جنگ و جدال جن کے خون کا افسانہ بنا بنا کر قلموں رنگوں سے رنگین کر کے دنیا کو سنایا جاتا ہے -

اب دیکھو کہ جہاں انسان، مسعود، حالانکہ انسان کی جان ایک مچھر اور مکھی سے بھی زیادہ قیمت نہیں رکھتی تھی، اس کی جان تو بڑی چیز ہے، اس کے لڑکے کا دھاگا بھی رات کی اندھیریوں میں کوئی نکال نہیں سکتا - امن و امان کا دور دورہ ہے، عالم پر منطبق کرنے کے لئے انسانی زندگی کے جس آئین و دستور کا نقش مدینہ کے رحم میں گاڑھا گیا تھا اس کے پیچھے چلے آتے ہیں، لے تابانہ چلے آتے ہیں، آدم کے بچے ہر چہار طرف سے چلے آتے ہیں، فوج در فوج چلے آتے ہیں، وفود کا تانتا بندھا جاتا ہے،

پھر کیا مدینہ میں جو پایۂ تخت قائم ہوا وہاں منبر کی جگہ تخت بچھا یا گیا وہی منبر ہے، وہی مسجد ہے، وہی جھونپڑے ہیں، وہی چمڑے کا اکھرا گدا ہے، نہ حاجب ہیں، نہ دربان ہیں، امیر بھی آتے ہیں، غریب بھی آتے ہیں، دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے، عجب دربار!

سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا، کہ درس تھا، وعظ تھا، افتاء تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی، کہ دعا تھی، جھاڑ تھا، پھونک تھا، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلّہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے جس کو جو کہدیا جاتا ہے، پورا ہوتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا اس لئے کہ وہ سب کے لئے تھا۔ آئندہ جس کسی کو چلنا تھا جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا اسی روشنی میں چلنا تھا،

بیرون عرب میں تبلیغ کا کام

اور یہ تو عرب کے لئے ہوا، عرب ہی کے اندر دیکھو کہ عرب کے باہر کا کام شروع ہو جاتا ہے، اسی دس سال کے عرصہ میں مشرق کی سب سے بڑی قوت "پرشین امپائر" اور مغرب کی سب سے

بڑی طاقت "رومن امپائر" کے ساتھ اطراف وجوانب کے سلاطین کو بھی چونکا دیا جاتا ہے کہ وقت سے پہلے جاگ جاؤ، جو جاگا اس نے پایا، جو سویا اس نے کھویا، "کسریٰ" نے خط پھاڑا، اس کا ملک پھاڑ دیا گیا۔ "قیصر" بھی پھاڑ دیتا، اور خدا کرتا کہ پھاڑ دیتا تو وہ بھی پھٹ جاتا، لیکن معاملہ کو ملتوی کر کے اس نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی موت کو ملتوی کرا لیا۔

اور اتنا ملتوی کیا کہ گویا وہ فوج آج تک واپس نہیں ہوئی، اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب واپس ہوگی، جسے رومیوں[1] کی طرف روانہ کر کے دماغ کے ان عجیب وغریب تجربات دینے والا پاک وجود پھر "دل" کے حالات میں مستغرق ہو کر اس بستر پر لیٹ گیا جس پر لیٹنے کے بعد پھر اٹھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ اللھم صل علیہ وسلم،

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس بستر پر لیٹنے کی جو آخری رات تھی اس کے روشن کرنے والے چراغ میں تیل کسی عرب پڑوسی سے قرض کر کے آیا تھا، اور جو چادر اس وقت مرض واپسیں کے مریض پر پڑی ہوئی تھی جب بعد کو دیکھا گیا تو صرف بھٹا ہوا ایک سیاہ کمبل تھا جس کے اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے؟ اس کی زرہ تین صاع پر ایک یہودی ساہوکار کے یہاں گرو تھی۔

جاننے کے بعد نہ ماننے کے لئے جھوٹ کے بلوں میں پناہ ڈھونڈنے والو! سوچو

---

[1] مرض الموت میں اسامہ کا جو دستہ رومیوں کی طرف بھیجا گیا اسی کی طرف اشارہ ہے رومیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی ابھی اسی خبر کی مسرت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے حملہ کی خبر ان کو ملی رومی گھبرا اٹھے، اور بولے کیا یہ لوگ جن ہیں ۱۲

رہا ہے، دیکھ رہے ہو، جو اس بستر پر لیٹا ہوا ہے، انصاف کے خونیو! کیا یہی مکہ کا وہ فقیر ہے جس کے متعلق تمہاری گندی زبانوں نے غل مچایا کہ وہ مدینہ کا بادشاہ ہو گیا تھا اور کیا آج ہی اس کا یہ حال ہے، دس سال کی اس مدت میں کس نے اس کے گھر سے روز دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا؟ ایسے بادشاہ کس دنیا میں گزرے ہیں جن کے منہ کو جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی بھی میسر نہ آئی؟ فقیروں نے بھی کبھی دو دو تین تین مہینے تک صرف پانی اور خشک چھواروں پر زندگی گزاری ہے؟ فاقہ مستوں نے بھی کبھی بھوک کی شدت میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے ہیں؟ کن بادشاہوں کی لڑکیوں کے ہاتھ میں چکی پیسنے کا گھٹا اور گردن میں پانی بھرنے کے نشان دیکھے گئے؟ ایسی شاہزادی زمین کے کس خطے میں پائی گئی جس کو اور جس کے بچوں کو دو دو تین تین دن بھوک کی شدت میں دن کو رات اور رات کو دن کرنا پڑا ہے؟ بادشاہوں کا قصر کیا اسی کو کہتے ہیں جس کے کھجوروں کے پتوں کی چھپر سے بھی آدمی کا سر لگتا ہو۔

"مدینہ" کے بادشاہ کا شاہی محل تو اس وقت بھی موجود ہے، اس کے طول و عرض کو تو اب بھی ناپ سکتے ہو، باہر میں اس کے کچھ بھی ہو، لیکن اندر تو اس کا وہی ہے، جو پہلے تھا،

بہر حال دس سال تک "دماغ" کا بھی اس طرح کھلی روشنی میں تجربہ کرایا گیا، جس طرح تیرہ سال تک "دل" کے مشاہدات پیش کئے گئے۔

اور تم دیکھو کہ اسی عرب میں ایک طرف ان کا نشہ اتارا گیا جن کی بڑائی میں خدا کی کبریائی کی بھی گنجائش نہ تھی، تو دوسری طرف ان ہی میں ایک اور نشہ پیدا ہو گیا

کہ خدا کی بڑائی کے سوا ان کے اندر کسی کی بڑائی باقی نہ رہے۔ یہی وہ گروہ تھا جو "سینا" کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ قدوسیوں کی شکل میں آیا، وہی دعویٰ جس کی دلیل مسلسل خود اپنے اندر سے اس دعوے کا مدعی ان سے پہلے چمکا رہا تھا، اسی دعوے کے نسخہ کو ان پر بھی پیش کیا گیا جنہوں نے جان کر اس کو مانا تھا، یہ نسخہ ان کو پلایا گیا۔

اور کسی جنگل یا پہاڑ کے غاروں میں نہیں، تلواروں کی چھاؤں میں اس کی مشق کرائی گئی۔

پلا کر بھی دکھایا جاتا تھا اور چھڑا کر بھی دکھایا جاتا تھا۔ "بدر" میں جب پی کر اترے تو اس کے نتائج بھی ان کے سامنے تھے، اور "احد" میں جو کچھ ہوا ان کی بدولت ہوا، جن سے پینے میں کچھ کوتاہی ہوئی، مگر "جب فتح ہوا تو سب اسی نشہ میں سرشار تھے۔ "حنین" میں جب میلان چھوٹا، تھوڑی دیر کے لئے چھوٹا تو تم اس کے میدان کے نقشے میں اور اس کی گھاٹیوں، پہاڑیوں میں اس کے اسباب کو کھوجو، لیکن میں کیا کروں کہ قرآن نے اسی نسخہ کی کمی کا ان میں نشان دیا ہے جس کا ان کو تجربہ کرایا جا رہا تھا۔

تم کہتے ہو کہ وہ ان تیر اندازوں سے بھاگے جو اندر نہیں بلکہ باہر گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے، اور قرآن کہتا ہے کہ وہ "مجاز" اور "اکثریت" کے اس اعتماد سے بھاگے جو ان کے اندر چھپا ہوا تھا۔

"یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئا" "اور حنین کے دن جب اپنی کثرت تعداد نے تم کو مغرور کر دیا لیکن یہ کثرت تعداد تم کو فائدہ نہ پہنچا سکی۔"

کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے؟

اگر یہ مقصود نہ تھا تو جس کو طائف سے واپسی کے بعد سب کچھ مل چکا تھا، اس کو اس "لاؤ" اور اس "لشکر" کی کیا ضرورت تھی، یوں بھی تو اس کا داہنا[1] ہاتھ عجیب و غریب کمالات دکھاتا تھا، یہ غرض نہ ہوتی تو کیا صرف اسی سے وہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا، اور جب جی چاہا تو کیا خاک کی مٹھی سے اسی نے وہی کام نہیں لیا، جو "ہوئٹزر" کے "گولوں" سے لیا جاتا ہے۔

اندھے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ خون بہاتا تھا، جس کا خون بہایا گیا، جس کی ڈاڑھی خون سے دھوئی گئی، جس کے دانت توڑے گئے، جس کی پیشانی میں "زرہ" کی کڑیاں چھپائی گئیں، نابیناؤ! اسی پر الزام دھرتے ہو کہ اس نے خون بہایا۔

چور وا کوتوال ہی کو اُلٹے ڈانٹتے ہو، اور بکف چراغ ہو کر ڈانٹتے ہو۔

حالانکہ تریسٹھ سال کی طویل مدّت عمر میں کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ خونیوں میں پلنے والے اس انسان نے خون تو کیا کسی کا بال بھی توڑا تھا[2]

اسلامی جہاد کی ترتیب

اف! اگر وہ خون بہانا چاہتا تو پھر ہزاروں کے خون کو صرف ایک کے خون سے کیوں بچاتا، قطرہ بہا کر سمندر کو کیوں باندھتا،

---

[1] زبور کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت کو خطاب کرتے ہوئے حضرت داؤد نے فرمایا، "تیرا داہنا ہاتھ عجائب دکھلائے گا"، قرآن میں آنحضرت کے داہنے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ اور "ما رمیت اذ رمیت"، میں بھی داہنے ہاتھ کے کمالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مشت خاک سے دشمنوں کی فوج میں ابتری پیدا ہوئی، اس کا ذکر بخاری میں ہے ۱۲

[2] پوری تاریخ میں صرف ابی بن خلف کے حلق میں آپ نے نیزہ کی انی اسوقت چبھائی، جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے جنگ احد میں آپ کے قریب پہنچ گیا، آپ نے مکہ معظمہ میں اس سے ایک وعدہ کیا تھا اس کا ایفاء بھی مقصود تھا ۱۲۔

یہی یہودی جن کا خون ہر زمانہ اور ہر ملک میں تقریباً ہر صدی میں ارزاں رہا ہے، اور اب تک ہے، جب خون کے مستحق ہو چکے تھے اور ہر اعتبار سے ہو چکے تھے، لیکن ان کے ہزاروں کے خون کو صرف کعب بن اشرف، اور رافع بن حقیق، دو ہی آدمیوں کے خون سے کیوں محفوظ کر دیا گیا۔ بہت بڑا خیر وہ شر ہے جس کے ذریعہ سے کسی عظیم و جلیل شر کا سدباب ہوتا ہو۔ قصاص میں زندگی ہے، آخر اس قانون میں اور کیا ہے، بلاشبہ ان دونوں کی موت میں ان تمام یہودیوں کی زندگی کی ضمانت تھی جو ان کے بعد زندہ رہے پھلے پھولے، ورنہ جو منصوبہ ان دونوں نے پکایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عرب سے یہودیوں کا اسی وقت نام و نشان جاتا رہتا، جیسا کہ ہمیشہ اسی قسم کے بد باطن یہودیوں نے اپنی قوم پر ہر ملک میں ہر زمانہ میں زندگی تلخ کی ہے، جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ازواج مطہرات | آخر میں ان تمام تجربات کے سلسلہ میں نادر ترین تجربہ یہ ہے کہ یہی دس سال کا زمانہ ہے، اس کے بعد بھی چند سال گذر چکے ہیں، اور اب وہی جو عرب کے لئے بھی تھا، عجم کے لئے بھی تھا، مردوں کے لئے بھی تھا، اور عورتوں کے لئے بھی تھا زندگی کے آخری دنوں میں ارادہ فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح مردوں میں قدسیوں کی یہ آخری جماعت پیدا کی گئی ہے، سارے جہان کے عورتوں کے لئے قیامت تک نسل انسانی میں جو عورتیں پیدا ہونے والی ہیں ان سب کے لئے، ان کی تعلیم کیلئے، تربیت

۱؎ جرمنی میں ہٹلر نے ان پر زندگی جس طرح تنگ کی ہے سب کو معلوم ہے، یہ تفسیر ہے قرآن کی آیت کی واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب تیرے رب نے جب اعلان کیا کہ قیامت تک یہودیوں پر کسی کو اٹھاتا رہیگا جو ان کو بری طرح کا عذاب چکھاتا رہیگا ۱۲

کے لئے ان کے نمونہ کے لئے، عورتوں کی بھی ایک جماعت تیار کی جائے شاید یہ قدرت کی طرف سے تھا، اور اس کی کون سی بات قدرتی نہ تھی کہ جہاں سے دنیا کے اس عالمگیر نقشے اور حیات انسانی کے کامل دستور العمل کا جھنڈا اٹھایا جاتا ہے وہ نہ "لندن" ہے، نہ "پیرس" حتیٰ کہ "بمبئی" بھی نہیں اور "کلکتہ" بھی نہیں، بلکہ سوچو تو بیابان کی اس کی کوردہ آبادی کی تمدنی وعمرانی لحاظ سے وہ حیثیت بھی نہیں جو ہندوستان کے معمولی اضلاعی شہروں اور قصبوں کی ہے، لیکن دنیا کے اسی دورافتادہ، ویران، ریگستان، نخلستان میں حیرت ہے کہ سارے جہان کے "مذاہب" و "ادیان" اس لئے اس کے آگے پیش ہو جاتے ہیں کہ تردید و تکذیب نہیں بلکہ سب کی تصدیق، سب کی تصحیح، سب کی تکمیل، عملی شکل میں ممکن ہو، کہ وہ "مکذب" نہیں، بلکہ "مصدق" تھا، اور یہی اس کے دعوے کا سب سے امتیازی نشان ہے۔

مدینہ میں دنیا کے مذاہب کا اکھاڑا

ہندو مذہب تو "وثنیت" کی شکل میں "مکہ" ہی موجود تھا "مدینہ" آنے کے بعد اس کے آگے دنیا کا دوسرا عالمگیر مذہب "یہودیت" بھی سامنے آ گیا، اس کے ساتھ خود "مدینہ" میں اطراف "مدینہ" میں وہ "نصرانیت" بھی موجود تھی جس کے زیر اثر دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ اس وقت بھی تھا، اور اس وقت بھی ہے اس کے حلقہ میں "مجوسی" اور ایران کے آتش پرست زردشتی[1] بھی شریک تھے، اور اردگرد میں ایک فرقہ "صابئون" کا بھی تھا جس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ عرب کے

---

[1] سلمان فارسی، باذان، اقرع بن حابس، اور بھی چند ہیں یہ پہلے مجوسی تھے، اور "ہجر" کا پورا علاقہ عرب میں زردشتی دین رکھتا تھا، قرآن میں مجوس کے نام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲

ان "صابیوں" کا تعلق "بودھ مذہب" کے "سادھوؤں" سے تھا، یا ان کے سوا کوئی اور فرقہ تھا جسے دنیا اب نہیں جانتی ہے۔

الغرض کوہستان کی اسی چھوٹی سی بستی میں یہودیت، عیسائیت، ہندویت یا ثنیت، مجوسیت، اور اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ بودھیت اپنے تمام مفاسد کے ساتھ موجود تھے جن کے دھونے، اور جن سے پاک کرنے کے لئے وہ اٹھایا گیا تھا، جس نے ان سب کو دھویا، ان سب کو پاک کیا، صاف کیا جس میں جو کمی تھی سب کو پورا کیا، اور قیامت تک کے لئے پورا کیا۔

اور جس طرح دنیا کے ہر مذہب کے مردوں میں قدرت نے اس کو کچھ لوگ دئے دیکھو کہ قریب قریب کچھ اسی طرح سے زندگی کے آخری دنوں میں تقریباً دنیا کے ان تمام بڑے مذاہب کی عورتوں میں سے ایک ایک نمائندہ اس کی خدمت میں قدرت ہی کی جانب سے حاضر کی جاتی ہے، عورتیں اس کی خدمت میں اگر عورتوں کی حیثیت سے آئیں تو کیا، جو تھی کہ جب مکہ میں ہر قسم کی بی عورتیں اس کے آگے پیش کی گئیں تو اس بزرگ خاتون کے مقابلہ میں جو عمر میں ان سے پندرہ سال بڑی تھیں پچاس سال کی عمر تک کسی کو پسند نہیں کیا۔ پچیس سال کی جوانی سے پچاس سال کی عمر تک تم میں کون نہیں جانتا کہ بجز حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آپ نے کسی سے نکاح نہیں فرمایا جو نکاح کے وقت چالیس سال کی ہو چکی تھیں اور اس سے پیشتر ان کے دو شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا، جو عورت کو عورت کی حیثیت سے اپنے گھر میں لاتا ہے کیا چالیس سال کی بیوہ کے ساتھ پچاس سال کی پوری زندگی گذار سکتا ہے۔ ہاں! جب سب کچھ ہو چکا "دل" کا بھی تجربہ ختم ہو چکا۔ "دماغ" کے

تجربات بھی دنیا کے سامنے آچکے قتل و خون، فتنہ و فساد کا متلاطم سمندر ملک عرب امن و امان، راحت و آسائش کی چھاؤں کے نیچے زندگی کی قیمت حاصل کرنے لگا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگرچہ عرب کا اکثر حصہ ہمیشہ سے کسی غیر عرب کا محکوم نہ تھا لیکن باہم ان میں بڑوں نے چھوٹوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، اور پھر سب مل کر دیبی مخلوقات کی غلامی کی بیویوں میں گھسیٹتے رہے تھے اس غلامی سے ان کو حقیقی آزادی میسر آئی، انسانیت اپنے فطری مقام سے ہٹ کر موچ کھائی ہوئی ہڈی کے مانند بے چین تھی، بے کل تھی، پھر اس کو اپنا وہ اصلی مقام نصیب ہوا جس پر پہنچے بغیر قلوب انسانی مطمئن نہیں ہو سکتے ایسی صورت میں پھر یہ کیسا بد اندیشہ اور خبیث خیال ہے کہ آزادی کی اس نعمت سے ایک پورے طبقہ، نصف حصہ کو محروم رکھا جاتا، یہ سچ ہے کہ ان کا، ان بے زبانوں کا کسی نے خیال نہیں کیا، رحم کی نگاہ کسی کی ان پر نہیں پڑی، لیکن کیا کہتے ہو کہ "رحمۃ عالمین" کی نظر کرم سے بھی یہ بے چاریاں محروم رہتیں، جس طرح اب تک تھیں، ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو سب کے لئے تھا وہ سب ہی کے لئے ہوا، اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا، اس نے بے سمجھ، خام فہم، ناتجربہ کار عورتوں کا انتخاب نہیں کیا کہ ان کو دوسروں کے لئے نمونہ بنانا تھا، اور دیکھو! وقت بھی کم ہے، فرصت تنگ ہو رہی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ چن چن کر مختلف طبائع اور مزاج، مختلف مذاہب اور دیانات کی سن رسیدہ، فہمیدہ، و سنجیدہ، بیوہ عورتیں، جو زندگی کے سرد و گرم کا تجربہ کر چکی تھیں ان کی ایک برگزیدہ، پاک، منتخب جماعت کو مختلف اسباب، و وجوہ کے پردہ میں قدرت نے اس کی خدمت میں اس وقت مہیا کیا جب اپنے فرض سے سبکدوشی کا وقت آخر ہو رہا تھا اس کی زندگی کا یہی آخری کارنامہ تھا، کھل چکا تھا کہ مکہ فتح ہوتا ہے۔ خدا کی زمین کا

«مرکز» جھوٹے خداؤں کی نجاست سے پاک ہوتا ہے جس کے بعد اس کا کام ختم ہو جاتا تھا،
میں بتا چکا ہوں کہ «غیب» اور اس کے «آیاتِ کبریٰ» جو وقت کھولے گئے تھے آخر
میں بانیِ «کعبہ» ابراہیم علیہ السلام کا دیکھنا اسی کی دلیل تھی کہ کعبہ کی تطہیر اس کا آخری کام ہوگا
«مرکز» اور «ام القریٰ» پر قبضہ دلانا اصل کام تھا، اس کے بعد مفصلات اور «ام القریٰ
کے «قریٰ» جو کعبہ کے چاروں طرف زمین کے آخری حدود تک پھیلے ہوئے ہیں ان کا
کام آنے والوں کے سپرد کر دیا جائے گا، اور اسی غیبی مکاشفہ میں نہیں بلکہ مسلسل
ایسے مکاشفے مختلف پیرایوں میں ہو رہے تھے جن کا مطلب یہی تھا کہ کام ختم ہو رہا
ہے، پس اس کام کو کامل طور پر ختم کرنے کے لئے مردوں کے ساتھ چند عورتوں کی تعلیم
و تربیت کا کام اپنی آخری زندگی میں اس کو اپنے سر لینا پڑا، یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ عورتیں
خدمتِ مبارک میں اسی حیثیت سے رہتیں جس حیثیت سے مردوں کی ایک منتخب
اور چیدہ جماعت ساتھ رہتی تھی، لیکن «دماغ» کی «بیداری» کا یہ کیسا روشن تجربہ
ہے کہ اس نے مصنوعی، مذہبی مقتداؤں اور روحانی پیشواؤں کی ان مجرمانہ پیش قدمیوں
کا رستہ ان عورتوں سے نکاح کر کے ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا۔

ہیکل کی خدمت کے لئے عمران کی عورت نے صرف ایک لڑکی پیش کی تھی، پھر دیکھو!
اس ایک کنواری کی آڑ میں چرچوں پر، گرجاؤں پر، ان کے اماموں پر، خطیبوں پر، پیشواؤں
پر، بطریقوں پر کتنی کنواریاں روز بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں، خدانخواستہ اگر کبھی
ایک اجنبی عورت کو نزدیکی کی وہ حیثیت دی جاتی جو باہر میں مردوں کو حاصل تھی، تو کون
اندازہ کر سکتا ہے کہ بعد کو آدم رو ابلیسوں کیلئے قرب و نزدیکی کا یہ حیلہ کن جاہلیوں اور شرارتوں
کی بنیاد بن جاتا جب کوئی نمونہ نہیں موجود ہے اس وقت تو بغیر نمونہ کے زندگی کے ادعا والے

لتنے بر پلکتے، خدانخواستہ اگر "نیم بیضہ" بھی میسر ہو جاتا تو پھر بیچ میں کتنے ہزار مرغ گھنے جاتے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

الغرض ان عورتوں کو "بیوی" کا مقام عطا کیا، اور جس کو انسان سوچ نہیں سکتا، اس حد تک ان کے ساتھ حقیقی عدل اور برابری کا نمونہ اس نے پیش کیا، جس کا "دماغ" عالمگیر حکومت، عالمگیر سیاست، ہمہ گیر تعلیم و تربیت کی الجھی ہوئی پیچ در پیچ گتھیوں کے سلجھانے میں اسی وقت مصروف تھا جس وقت "عائلی" اور "خانگی" زندگی کی ژولیدگیوں کو بھی بہ کشادہ پیشانی حل کر رہا تھا، اور اس آسانی کے ساتھ حل کر رہا تھا کہ خواہ اس کی مدت کتنی ہی کم ہو لیکن بداندیشوں یا دہ خیالوں کو دور سے زندگی ایسی الجھی ہوئی خوشگوار لذیذ نظر آئی کہ بدبختوں نے اپنے اندر برے خیالات پکائے، گویا سچ مچ اس جیر میں کوئی شر نہیں، اور اس راحت میں کوئی زحمت نہیں تھی، ایک بیوی کے تعلقات کی شیرینی کو مسلسل تلخیوں سے بدلنے والے کیا یہ سوچ سکتے ہیں؟ البتہ اس کا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ چند بیویوں کے تعلقات کو خوشگوار رکھنا فطرت انسانی کا اعجاز نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بلا شبہ یہی ایک "عائلی" تجربہ بھی ان بد دماغوں اور بد عقلوں کیلئے کافی ہے جو جاننے کے بعد ملنے سے اسلئے سمجھاتے تھے کہ "دل" میں نور

ف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کا سلسلہ ہجرت کے بعد شروع ہوا اور اس میں بھی عموماً جو عمر میں حساب ہے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر تین ساڑھے تین سال سے زیادہ زمانہ ان ازواج کو نکاح کے بعد نہ ملا، اور یہی زمانہ آنحضرت ؐ کے جہادی اور حج وغیرہ اسفار کا ہے، اس کا اور عدل کے قانون قدرت کے ساتھ عمل پیرا ہونیکا نتیجہ یہ ہے کہ تریسٹھ سال کی پوری زندگی میں عموماً ان بیویوں کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت میں ساڑھے تین مہینہ سے زیادہ نہیں ہوتی جو تعلیم کے لئے بھی کافی ہے اور جن شکوک و شبہات کا پروپیگنڈا دشمنوں نے کیا ہے اس کی تردید کے لئے بھی یہ سبب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی شادیاں کیں، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کب ہوئیں، اور ان عورتوں کے ساتھ قیام کی مدت تریسٹھ سال کی عمر میں کتنی ہے ۱۲۔

ہیں لیکن "عقل" اور "دماغ" کے نظم میں ان کو بدنظمی کا اندیشہ ہوا جن کی زندگی کا شعبہ
شخصی، عائلی، خاندانی، قومی، سیاسی، صرف ضبط اور نظم ہے، اس کے متعلق یہ وسوسہ جو
سوچنے والوں کی کیا عقلی بدنظمی کی کھلی دلیل نہیں ہے؟ یہی نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ زندگی کے ان
قلیل حصہ کا کوئی دقیقہ کوئی نکتہ ایسا نہ تھا جو لگا ہے ادجھل ہو، دیکھ چکے کہ دنیا کی عورتوں
کے لیے جو نمونہ بنائی گئیں، ان میں سب کی سب عمر رسیدہ تجربہ کار بیوہ ہی عورتیں ہیں جیسے
کہ مردوں کے لیے جو جماعت نمونہ بنائی گئی ان میں بھی زیادہ تر تجربہ کار سرگرم حضرات لوگ تھے
ایک ایک ان میں ایسا تھا جو ملکوں پر بھاری، قوموں پر گراں ثابت ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیثیت

لیکن دقیقہ سنجیوں، نکتہ نوازیوں کی اس سلسلہ میں انتہا اس
وقت ہوتی ہے جب کہ ایک طرف اگر مردوں کے نمونہ میں ایک ایسا
نمونہ ہے جس کا "دل" جس کا "دماغ"، جس کا "ظاہر" جس کا "باطن" ہر قسم کے اجنبی اثرات سے
قطعاً آزاد ہے، اسی صحبت میں اس نے آنکھیں کھولیں، ان ہی کی گود میں اس نے ہوش سنبھالا
آخر وقت تک وہ اسی حال میں رہا۔

پھر جس طرح مردوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکل میں ایسا نمونہ دیا گیا جو دس سال
کی عمر سے اس وقت خدمت مبارک سے علیحدہ ہوئے جب لوگوں نے مرقد ہی سے ان کو نکلتے دیکھا
کیا ظلم نہ ہوتا اگر عورتوں، بے زبان عورتوں کو اس بے نظیر نمونہ سے محروم
رکھا جاتا، یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ مسن اور ادھیڑ بلکہ بعض بوڑھی عورتوں کے ساتھ
ایک وہ طاہرہ، طیبہ، صدیقہ، کنواری بیوی صاحبہ بھی ہیں جن کو آپ نے اپنے زیر تربیت
ہی سال کی عمر سے لے لیا تھا، اور قبل اس کے کہ ان کا "دل"، ان کا "دماغ" کسی غیر کی
کو غیر شعوری طور پر جذب کرلے، نویں سال کی عمر میں اپنی رفاقت میں لے لیا گویا شعور

میں سا کھڑ رکھا، پھر دیکھو کہ جس طرح مردوں کے اس مظہر عجائب و غرائب وجود سے دنیا کو اگر وہ سب کچھ ملا جو کسی دوسرے سے نہیں ملا تو کیا ٹھیک اسی طرح اس عجیب و غریب بنت و ذکاء فضل و کمال، تقویٰ و عفت کے سر چشمہ سے دنیا کو جو دولت تقسیم ہوئی صرف عورتوں ہی میں نہیں کہ وہ نوان کا گروہ ہی تھا، غالباً مردوں کو بھی کسی دوسرے سے اتنا ملا ہے؟
محدثین سے پوچھو! کہ وہ کیا کہتے ہیں؟

الغرض ہر قسم کے شکوک و شبہات، وساوس و اوہام کی تاریکیوں، ادنیٰ سے ادنیٰ تاریکیوں کو پھاڑتا چیرتا ہوا، دعوے کا وہ آفتاب جس کی صبح کا سپیدہ حراء کے دامن سے پھوٹا تھا "مکہ" کے افق سے چڑھتا ہوا تیئیس سال کی مدت میں مدینہ کے سمت الراس پر پہنچ کر انتہائی کمال و جلال کے ساتھ دیکھو کہ کس شان، کس آن کے ساتھ چمک رہا ہے۔ آفتاب! عولی کا یہ عجیب و غریب آفتاب جس کے طلوع سے پہلے بھی روشنی تھی، اور جس کے ساتھ بھی روشنی ہے جس کے باہر بھی روشنی ہے جس کے اندر بھی روشنی ہے، وہ خود بھی نور ہے، جس سے نکلا وہ بھی نور ہے "نور علیٰ نور" کا یہی نورانی نظارہ جس کو دنیا کی آنکھوں کے نور نے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن ہمیشہ دیکھتی رہے گی، سب کو دکھایا جائے گا، سب دیکھ رہے ہیں، "ظاہر" کے "باطن" کے "دل" کے "دماغ" کے تجربات بینہ کی شعاعوں سے "آسمانی علم" اور "لاہوتی عرفان" کا یہ آفتاب دمک رہا ہے، چمک رہا ہے، بلکہ سچ پوچھو تو جھمک رہا ہے، مہک رہا ہے، جھلک رہا ہے۔

عرب کا وسیع صحراء اسکے لئے تنگ ہے، وہ بڑھنا چاہتا ہے، طوفان کی طرح بڑھنا چاہتا ہے، اندھی کی طرح چوٹھنا چاہتا ہے، اور دیکھو کہ وہ بڑھ گیا، چڑھ گیا، ساری دنیا پر پھیل گیا اور اب تک اسی آب و تاب، جاہ و جلال کے ساتھ، کائنات، ساری کائنات کے افق پر اسی طرح چمک رہا ہے جس طرح وہ

اس وقت چمک رہا تھا، جب یہ عرب سے باہر نکلا تھا، یقین و قطعیت کی تیز اور ٹھنڈی روشنی میں اس کو آج والے بھی اسی طرح پا رہے ہیں، جس طرح کل والوں نے اس کو اس وقت دیکھا تھا جس وقت وہ ان کو ان کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زندگی کے عمیق سے عمیق، باریک سے باریک پہلوؤں کا کھلے بندوں علانیہ تجربہ کرا رہا تھا۔

گلیلی جھیل کے چند ماہی گیر یا لمدھ دیش کے گداگر بھکشو نہیں بلکہ ہزارہا انسان، ایسے انسان جن پر اس عہد کی ساری بڑائیاں ختم ہوتی تھیں، ان میں بادشاہ بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ، ان میں کمانڈر بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے کمانڈر، ان میں دماغ والے بھی تھے اور سب سے زیادہ بیدار دماغ والے، ان میں دل والے بھی تھے سب سے زیادہ روشن دل والے،[1] الغرض انسانیت کی جتنی اونچی سے اونچی منزلیں ہو سکتی ہیں، جا سکتی ہیں، تجربہ کاروں کی یہ جماعت ان کی آخری بلندیوں پر ساری دنیا کے آگے مضبوطی کے ساتھ قدم جما کر اس کا ثبوت پیش کر رہی تھی کہ اس وقت دنیا میں ان سے اونچا کوئی نہیں ہے، کہیں نہیں ہے،

ہوت! اور کیسی عجیب ہوت! تجربہ! اور کیسا عجیب تجربہ! کتنا روشن تجربہ کتنا نکھرا ہوا صاف تجربہ، ہر قسم کی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک و صاف تجربہ کتنے عظیم دانا ئیوں کا پرکھا ہوا تجربہ، کتنی نازک دیانتوں کا جانچا ہوا تجربہ، کتنی روشن فطرتوں کا پایا ہوا تجربہ، کتنی بے رعب، بے جھجک طبیعتوں کا بے لاگ تجربہ، کتنے متوازن معتدل دماغوں کا پایا ہوا تجربہ، چند نہیں، فوج در فوج، نسل آدم کی غٹ کی غٹ، جوق در جوق افراد کا تجربہ، اتنے افراد کا تجربہ کہ دنیا کے کسی مسئلہ یا حقیقت کے تجربہ کیلئے آج تک انسانوں کی اتنی بڑی جماعت

---

[1] خلفاء راشدین اور صحابہ کے حالات کے جاننے والے کیا اس میں شک کر سکتے ہیں ۱۲

اُٹھی ہوئی اور نہ شاید آئندہ ہو سکتی ہے۔
تجربات و مشاہدات کا یہی حیرت انگیز ذخیرہ تھا جس کی حفاظت و نگرانی کا فرض کسی خانقاہ کے درویشوں یا کسی مدرسہ کے معلموں یا کسی انجمن کے ممبروں یا کسی کانفرنس کے دفتریوں، یا کسی افسانہ نگار مؤرخ کی انگلیوں کے سپرد نہیں کی گئی، بلکہ سب جانتے ہیں کہ زمین پر روئے زمین پر اس زمانہ کی جو سب سے بڑی قاہر سلطنت تھی، اس نے اپنا پہلا فریضہ بھی اسی کی حفاظت و تبلیغ قرار دیا، اور اس کا آخری فریضہ بھی یہی تھا، درمیان کے جتنے مقدمات تھے وہ صرف اسی مقصد کے حصول کے ذرائع تھے، دنیا کی اس سب سے بڑی سلطنت نے اپنی ہر قسم کی قوتوں کو صرف اسی نگرانی اور نشر و اشاعت کے لئے مخصوص اور محدود کر دیا۔
طاقت کی ان آہنی زنجیروں کی بندش میں حکومت ہی کی سرپرستی میں اسکی تاریخ کا آغاز ہوا، اور دیکھو کہ مسلسل اسی طرح ایک حکومت دوسری حکومت کو یہ ودلیت سونپتی چلی آئی حالانکہ زمانہ کی اس طویل و دراز مدت میں، زمین کے مختلف علاقوں میں باہم ان سلطنتوں کے دوسرے اغراض و مقاصد میں خواہ جس قدر بھی اختلاف رہا ہو، لیکن اس "آسمانی ودلیت"، ان "درخشاں تجربات بیّنہ"، ان "علمی مشاہدات" کی غور و پرداخت، تبلیغ و حفاظت میں سب کے نقاط وارادے قطعی طور پر متحد تھے بلکہ ہر حکومت نے کوشش کی کہ سعادت کے اس سلسلہ میں جتنا زیادہ حصہ اس کو مل سکے اس کے حصول میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے اسکے لئے مدارس کھولے گئے، خانقاہوں کا جال بچھایا گیا، مجلسیں ترتیب دی گئیں حلقے قائم ہوئے، تصنیف و تالیف کا باب کھولا گیا اور بڑے بڑے عظیم پیمانوں پر کھولا گیا ایسے پیمانوں پر کھولا گیا کہ شاید دنیا کے کسی ایک فن ایک علم کے متعلق تو کبھی دنیا میں اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مدرسے

کھلے یہ تصنیفی کوششوں کا اتنا عظیم حصہ انسانی تاریخ میں کسی ایک علم یا فن کو ملا، جتنا کہ محبت و
غریب نبوت کے تجربات و مشاہدات کو ملا۔ اور یونہی مسلسل بغیر کسی انقطاع اور کسی وقفہ کے ایک قرن
سے دوسرے قرن تک، ایک نسل سے دوسری نسل تک نبوت کا یہ لازوال ابدی، سرمدی، قیم خزانہ
منتقل ہوتا رہا اور اس وقت تک ہو رہا ہے، ہوتا چلا جائے گا، صرف یہی نہیں بلکہ ہر کھلے طبقہ
میں تم دیکھو گے تو نبوت کے اس تجربہ کی گواہی ادا کرنے والوں میں اضافہ ہوتا رہا، اور کیسا اضافہ؟
ایک اور دو کی نسبت نہیں، ایک اور تین کی نسبت نہیں، دوگنے اور تگنے کی حد تک کا اضافہ
نہیں، بلکہ بلا مبالغہ ایک اور لاکھ کی نسبت سے یہ اضافہ بتدریج بڑھتا رہا اور بڑھ رہا ہے
بڑھتا رہے گا، تا این کہ ساری نسل انسانی اس کی گواہ بن جائے،
اور اسی تدریجی اضافہ کی نسبتوں کے ساتھ سلطنتوں کے پرجلال پرشوکت جو ہزار سالوں
کے شاہانہ اور کڑے پہرے علماء کی سخت ترین ماہرانہ جوہری، فقراء و صوفیاء کی با وقار پر عظمت کرامتی
اور امت مرحومہ اسلامیہ کی فطری بیدار دماغی، طبعی ذکاوت حسی کے حصار میں صدیوں اور
سالوں کا کیا ذکر ہے، بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہیئے اس کے سوا جو کچھ کہا جائے گا
جھوٹ ہوگا کہ ایک لمحہ ایک پل کے ادنیٰ ترین حصہ کے انقطاع کے بغیر ٹھیک اسی آن بان اسی سج
دھج کے ساتھ امت کے ان افراد کو ملتا رہا اس وقت تک مل رہا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ وہ اپنے رسول کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہیں، لیکن اسی کے ساتھ نہ ان کا رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سکنڈ کے لئے ان سے اوجھل ہوا اور نہ وہ اپنے
رسول سے غائب ہوئے، سعادت صحبت سے بہرہ مند اگر کہہ سکتے تھے ایران کو کہنے
کا حق تھا کہ وہ اپنی نمازوں میں وہی پڑھتے ہیں جو ان کا رسول پڑھتا تھا (صلے اللہ
علیہ وسلم) وہ اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس طرح وہ کھڑا ہوتا تھا، اسی طرح

جھکتے ہیں، جس طرح وہ جھکتا تھا، اسی طرح زمین پر پیشانی رکھتے ہیں جس طرح وہ رکھتا تھا، تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی، ہر قرن ہر صدی بلکہ اس وقت بھی جہاں کہیں ہیں قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی وہی پڑھتے ہیں جو ان کا رسول پڑھتا تھا، اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس طرح وہ کھڑا ہوتا تھا، اسی طرح جھکتے ہیں جس طرح وہ جھکتا تھا اسی طرح زمین پر پیشانی رکھتے ہیں جس طرح وہ رکھتا تھا سبھوں نے تو خدا کی تصویر کھینچی، لیکن ایسا کون ہے جس کی بندگی کی تشکیل اسی طرح کی گئی "ہو بہو" "من وعن" جیسا کہ وہ تھا وہ متشکل کیا گیا، کیا جا رہا ہے، اور کامل یقین کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ اس کے ساتھ قطعاً وہ واقعات پیش نہیں آئے، جو پہلوں کے ساتھ پیش آئے، ہاں! جس طرح پہلوں کی کتاب چھینی گئی، ان کو ان کے رسولوں اور اوتاروں سے جدا کیا گیا۔ کیا کوئی دکھا سکتا ہے ان کے ساتھ بھی سال دو سال کے لئے نہیں روز دو روز، گھنٹے دو گھنٹے، بلکہ سکنڈ دو سکنڈ کے لئے کبھی (لا فعلہ اللہ) ایسا واقعہ پیش آیا اور جس نے دنیا کے کسی گوشہ میں کبھی ایسا ارادہ کیا۔ کیا مسلسل نہیں دیکھا گیا، کہ جس نے چھیننا چاہا وہی چھینا گیا، جس نے جدا کرنے کا خیال پکایا، وہی جدا کیا گیا، یہی ہوتا رہے گا، جس پر یہ گریں گے وہ بھی ٹوٹے گا اور جو ان پر گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو گا، بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ تاریخ کے کھلے ہوئے مسلسل اوراق میں یہی لکھا ہوا ہے، یہی لکھا جائے گا۔

بہر حال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے کہ بالآخر تاریخ کے اس اعجوبہ طراز عہد میں

---

[1] ڈاکٹر اقبال مدظلہ العالی نے خوب ادا فرمایا ہے ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے ۔۔۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

نسل انسانی داخل ہوگئی، جس میں ہر بعید قریب، ہر دور نزدیک بلکہ شاید ہر غائب حاضر ہوگیا، مکانی فاصلے حذف ہوگئے اور وہی دنیا جو کبھی متعدد دنیا سمجھی جاتی تھی ایک دنیا بلکہ اگر کہو تو کہہ سکتے ہو کہ ایک بستی ہوگئی، زمانی مسافتیں گم ہوگئیں بلکہ شاید زمانہ کے تین قسموں اور تین حصوں میں سے ایک حصہ ماضی کا تقریباً قابل ذکر نہیں رہا کہ اب جو گذرتا ہے وہ نہیں گذرتا ہے، اور جو غائب ہوتا ہے حاضر ہی رہتا ہے وہی نہیں جنہیں دنیا میں کچھ اہمیت حاصل ہے بلکہ دنیا کی ادنیٰ سے ادنیٰ پیداوار جو کبھی پیدا ہونے کے ساتھ ہی مٹ جاتی تھی وہ بھی اب امٹ ہوگئی۔ قدرت نے اپنی پوشیدہ حافظہ کا خزانہ پریس، تار، برق، آلہ ٹیلیفون وغیرہ کی شکلوں میں فیاضی کے ساتھ وقف عام فرما دیا ہے، آخر آج کون گن سکتا ہے، ان ذرائع اور وسائل کو جن کے ذریعہ سے دنیا کے حوادث و واقعات، تحریریں، تقریریں محفوظ ہو رہی ہوں، بنن و بازار میں آج یہ چیزیں ماری پھرتی ہیں اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو میسر ہیں، آج کوئی "امانت" کی "اندرسبھا" اور "شرر" کے ناول کو مٹا نہیں سکتا، پھر یہ اندیشہ اب کون کر سکتا ہے کہ تجربات کے ان ذخیروں کو اب دنیا کا کوئی حادثہ فنا کر سکتا ہے؟

ان ساز و سامانوں کے بعد کس قدر عجیب ہے اگر کہا جائے کہ جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب میں پیدا ہوئے تھے وہ عرب ہی میں پیدا ہوئے تھے اور جن کی ولادت چھٹی صدی میں ہوئی تھی وہ چھٹی صدی ہی میں ہوئی تھی

اس زمانہ کے جب ہر غائب کو حاضر اور ہر بعید کو قریب سمجھا جاتا ہے، کیا یہ ہو سکتی ہے کہ پھر ان تمام غائبوں میں جو سب سے زیادہ حاضر اور ایسا حاضر کہ اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنا حضور ہم میں سے کسی کو خود اپنے سلسلے نہیں ہے، ان تمام حضرات

جو سب سے زیادہ قریب اور اتنا قریب ہے کہ خود ہم اپنے سامنے اپنے کو اس قدر قریب نہیں پاتے۔

آخر ہم میں کون ہے جس کے دماغ میں، اپنی پیدائش، طفولیت، شباب، کہولت، خلوت، جلوت کے تمام واقعات اور اس کے تمام پہلو اتنی صفائی کے ساتھ موجود ہوں جتنی تابناکی کے ساتھ دنیا اس شخص کے متعلق جانتی ہے جو اگرچہ آج سے صدیوں پہلے عرب میں ظاہر ہوا، لیکن جس کے ظہور کی شدت ہر پچھلی صدی میں پہلی سے زیادہ محسوس کی گئی، کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ اسی بڑھتی ہوئی اشتدادی کیفیت کے ساتھ محسوس کی جائے گی کہ قدرت نے اب جن سامانوں کو پیدا کیا ہے انکا یہ لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت | اور شاید کہ اس ہستی مبارک کے اسی غیر منقطع ارتقائی تسلسل کا نتیجہ ہے کہ انکے بعد نبوت کا ہر دعوے دور از کار، اس دعوے کا ہر مدعی فالتو، اور زمین کی پشت کا بالکل غیر ضروری بار ٹھہرایا گیا، چھٹی صدی کے بعد زمانہ کے ہر حصہ میں ٹھہرایا گیا، دنیا کے ہر خطہ میں ٹھہرایا گیا۔

اور جن بدبختوں کے دل میں کبھی اس منصب کی جھوٹی ہوک اٹھتی ہے یا اٹھوائی جاتی ہے، تم دیکھو! خلاف دستور بنی آدم کتنی بدسلوکیوں کے ساتھ آخر وقت تک اس کو دردراتے، دھتکارتے رہے۔ اٹھنے کو تو یہ اٹھ جاتے ہیں لیکن چند مغالطی نمبروں کے بعد ہی ان کو خود یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لئے دنیا میں کوئی کام نہیں، بنی آدم کی بستیوں میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، پھر یوں ہی بازاری بے روزگاروں کی طرح بالآخر سرگردانی کے ساتھ بھٹکتے بھٹکاتے بہ ہزار حسرت و ناکامی، نامرادی کے گڑھوں میں ہمیشہ کے لئے مدفون ہو گئے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ بوالہوسوں کے بھبھاروں سے بے چین

و مدہوش ہو ہو کر اگر کوئی نبوت کا نام لے کر کبھی اٹھا بھی تو قدرت کے انھیں ہاتھوں نے جلتی ہوئی گھاس کے خاکستر کے مانند اس کو وہیں بٹھا دیا، چودہ سو سال کا یہ تجربی مشاہدہ ہے، حالانکہ اس سے پہلے تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ چار پانچ سو سال کے اندر کوئی نبی نہ آیا ہو، اس کی ضرورت نہ پیدا ہوئی ہو۔

اگرچہ کھلے کھلے صاف غیر مبہم لفظوں میں بار بار اس کی منادی بھی کر دی گئی تھی اور نبوات و رسالت کے سلسلہ میں یہ بھی منادی تھی کہ اب آسمان کا پیغام لے کر زمین والوں کے پاس کوئی نہیں آئے گا، یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کی اس سنگین مہر سے جو بھی ٹکراتا ہے وہی پاش پاش ہو جاتا ہے اور قدرت کی چٹان پر سر مارنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

بالفرض اگر یہ اعلان نہ بھی ہوتا جب بھی آخر دنیا کیا کرتی۔ آنے والے تو ہمیشہ اسی وقفہ آتے ہیں، ان ہی آتے ہیں، جب جلنے والا جا ہی چکے، لیکن ایسا آنے والا جو اس شان کے ساتھ آیا کہ بجائے جانے کے وہ آگے ہی بڑھتا رہا، بڑھ رہا ہے، گنجائش ہی کیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا آئے

جس طرح وہ بھیجا گیا، جن صفات و کمالات کے ساتھ بھیجا گیا اسی شان اسی آن کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب اور دمکتے ہوئے سورج کے مانند ہم میں وہ اسی طرح موجود ہے، ہر جگہ موجود ہے، ہر خطہ میں موجود ہے اس کا وجود مغرب میں بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح مشرق میں وہ آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ شاہوں کے قصور، اور غریبوں کے کلبہائے دیجور دونوں کو روشنی بانٹ رہا ہے، اور یکسانی کے ساتھ بانٹ رہا ہے، وہ سب کے لئے برابر ہے، سب کے لئے یکساں ہے، وہ فضا میں بھری ہوئی ہوا ہے، جس میں سب سانس لیتے ہیں اور وسعت کون و مکان کا وہ

نور ہے، جس میں سب چلتے ہیں، پلتے ہیں، پھولتے ہیں، پھلتے ہیں۔ یقیناً اسکی ضرورت جتنی چھٹی صدی کے باشندوں کو تھی اتنی ہی ضرورت اس وقت تک باقی ہے، پھر جب تک پیاس ہے، پانی چھلکے گا، اور جب تک بھوک ہے روٹی معدوم نہ ہوگی، آخر اس وقت کیا تھا جواب نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا اپنے خالق سے ٹوٹ کر اس زمانہ میں مخلوقات کے اندر غرق تھی لیکن کیا آدم کی اولاد تباہی کے اس گرداب سے نجات پا گئی؟

بلاشبہ جنہیں اس کی برکت میسر آگئی ہے ان میں اکثروں کا ان کا جو مرتد یا منافق نہیں ہیں ان کا بیڑہ خطرہ سے انشاء اللہ نکل چکا ہے لیکن کون کہتا ہے کہ سب کا نکل چکا ہے؟ بھٹر بھٹرا رہے ہیں ہندوستان کے ایک قطعہ اراضی میں اتنے بھٹر بھٹرا رہے ہیں کہ ان کا شمار صد و ہزار سے نہیں بلکہ کروڑوں سے کیا جاتا ہے، اور یہ تو صرف ہندوستان کا حال ہے، اس ملک سے باہر بھی کیا کام پورا ہو گیا ہے؟

آباد جزیروں کے اس جنگل میں جہاں آفتاب نکلتا ہے[1] اور مشرق کا وہ گنجان خطہ جہاں بنی نوع انسان کی سب سے بڑی آبادی ہے، کیا جاپان وچین کے ان باشندوں کی اپنے مالک سے صلح ہو چکی ہے، یقیناً ایک گروہ وہاں بھی ایسا پیدا ہو چکا ہے جس نے مخلوقات کی بندگی کا جوا گردن سے پھینک کر حقیقی اور سچی زندگی حاصل کی ہے، لیکن کون نہیں جانتا کہ ان ممالک کی اکثریت ابھی اسی طرح اپنے مالک سے روٹھی ہوئی ہے جس طرح ان کے آباء و اجداد روٹھے ہوتے تھے۔

غریب مشرق نولیس ماندوں کا ملک ہے لیکن جن کے پیش گامیوں کا ڈھنڈھورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے، کیا یورپ کے ان باشندوں کی سمجھ سیدھی ہو چکی ہے، باپ

---

[1] جاپان کے معنی "مطلع الشمس" کے ہیں جو لفظ نیپون کا ترجمہ ہے اسی کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔

بیچے کے قدیم افسانے کو تو چھوڑو لیکن جن خلقتوں کی ایجاد و تخلیق کی انھیں توفیق بخشی گئی بجائے توفیق بخشنے والے کے خود اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان مخلوقات کو اپنے دلوں میں نہیں بٹھائے ہوئے ہیں، یقیناً ان کے قلوب ان جدید مخلوقات کی انتہائی عظمت سے اسی طرح لبریز ہیں جس طرح ان کے بزرگوں کے دل پرانی مخلوقات کے احترام سے معمور تھے۔

پہلوں کی عقل کو سورج کی شعاعوں، آگ کے شعلوں نے خیرہ کیا تھا، تو کیا پچھلوں کی سینوں میں برق کی قوتوں، اسٹیم کی طاقتوں، پٹرول کی توانائیوں نے چکاچوند نہیں لگائی ہے، بزرگوں کے کارناموں، سورماؤں کی اولوالعزمیوں نے اگر پہلوں کو ان بزرگوں کی پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکایا تھا تو پچھلوں کے لیڈروں رہنموں اور قائدوں کے کاموں نے ان کے اسٹیچو اور فوٹو کے ساتھ ان کی ساری قومی عزت و فلاح کو وابستہ نہیں کیا ہے؟

پرانوں کے دیوتاؤں کی گنتیوں کو سن کر تم قہقہے لگاتے ہو ہنستے ہو، جب سنایا جاتا ہے کہ احمق ہندوستان خالق سے ٹوٹ کر چالیس کروڑ دیوتاؤں اور معبودوں کے ساتھ جکڑا ہوا تھا گر کوئی ہوتا جو ان نت نئے دیوتاؤں کی فہرست بناتا جن کے ساتھ فرزانہ و دانا یورپ کی روح اسی طرح خالق سے بیگانہ ہو کر ڈوبی ہوئی ہے، آخر بتایا جائے ان دونوں نئے اور پرانے طبقہ میں کیا فرق ہے، خالق سے یہ بھی دور اور وہ بھی دور، مخلوقات کے بوجھ سے یہ بھی چور وہ بھی چور، کچھ فرق اگر ہے تو صرف اس قدر ہے کہ پرانوں کے معبود بھی پرانے تھے، اور نیوں کے معبود بھی نئے ہیں، پرانوں کو پرانے معبودوں میں عجائب و غرائب اور نیا نئے فوائد نظر آتے تھے اور نیوں کو نئی مخلوقات

میں عجائب و غرائب، نت نئے فوائد نظر آرہے ہیں۔ منظاہر احترام اور تعظیم کے بیرونی قالبوں کی خصوصیتوں سے اگر قطع نظر کر لیا جائے تو ناپ لیا جا سکتا ہے اگر قلبی احساسات اور ذہنی کیفیات کے ناپنے کا کوئی آلہ ہوتا کہ پرانوں کے دلوں میں پرانے معبودوں کے متعلق جو کچھ تھا، نئوں کے قلوب میں نئے معبودوں کے متعلق وہی کچھ بلکہ شاید کہ اس سے زیادہ ہو۔

پرانے بھی تنہا خدا کے نام پر بپھر جاتے تھے۔ نئوں کے سامنے جا کر آج خدا کا تنہا کیا بلکہ ان کے معبودوں کے ساتھ ملا کر بھی نام لو، پھر دیکھو کہ ان کی پیشانی کی کھال کس طرح سکڑتی ہے، اور منہ سے کتنے تولے کف کے اڑا اڑ کر بیچارے نام لینے والے کے چہرے پر پڑتے ہیں۔ تحریروں میں، تقریروں میں، گفتگوؤں میں، تذکروں میں کیا نئوں کا یہ گروہ اپنے معبودوں کے نام لئے بغیر کبھی گذر سکتا ہے، برق کا بھاپ کا، تار کا، ریل کا، سیاروں کا، طیاروں کا، فیکٹریوں کا، ملوں کا، بینکوں کا، سرمایوں کا، ان کی مختلف شکلوں مثلاً انشورنسوں، رسیوں، اور خدا جانے کن کن خداؤں کا نام آج جس دلچسپی کے ساتھ جس ذوق شوق کے ساتھ لیا جاتا ہے، مشکل ہے کہ خالق کے پوجنے والوں نے اتنے ذوق و شوق کے ساتھ بسم اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کبھی کیا ہو،

یہ حمد بھی کرتے ہیں تو ان ہی خداؤں کی، نعت بھی لکھتے ہیں تو ان ہی کی، پھر میں کیا غلط سمجھا جب میں نے کہا کہ "جو پرانے تھے وہی نئے ہیں"، "چند مخلوقات کے گرد پالتیاں مارے وہ بھی بیٹھے تھے اور ٹھیک اسی طرح فطرت کے چند نوامیس و قوانین کے آگے یہ بھی محو رقص رامشگری ہیں، وہ ان کا بھجن گاتے تھے، یہ ان کا

تکبر کرتے ہیں، اتوا صوابہ بل ھم قوم طاغون)

تم کہتے ہو، کہ ہملوں نے انسانیت کو ذلیل کیا، جو سب سے اونچا تھا وہ سب سے نیچا اور اسفل سافلین کے درجہ پر پہنچا یا گیا۔

بلاشبہ یہی ہوا، یہی ہونا بھی چاہیئے کہ خالق ایک ہے اور مخلوقات لامحدود ہیں پس جس نے اس ایک کو چھوڑا، اس کو ہر ایک سے جوڑنا پڑے گا، جو ایک سے نہیں ڈریگا اس کو ہر ایک سے ڈرنا پڑے گا جو جھکنے ہی کے لئے ہے اس کو جھکنا ہی پڑے گا لیکن ایک کے آگے جھکا تو سب اس کے آگے جھکیں گے اور جس نے ایک کے آگے سر ٹیکنے سے انکار کیا، دیکھو وہ ہر ایک کے آگے سر ٹیکے پڑے ہیں ملائکہ کے آگے، جن کے آگے انس کے آگے، حیوانات کے آگے، نباتات کے آگے، جمادات کے آگے، اور میں کیا کھاؤں کہ "جو دیکھا نہیں جا سکتا" اس کے آگے۔

یہی وہ عذاب ہے جو آخرت سے پہلے ان کو دنیا میں چکھنا پڑا، چکھ رہے ہیں، برضا و رغبت چکھ رہے ہیں۔

مگر کیا انسانیت کی یہ توہین صرف پہلوں میں تھی، پرانوں نے خالق کے معبود ہونے سے انکار کیا بے شک اس کے صلہ میں انہیں بندروں کو مسجود بنانا پڑا، لیکن جن لوگوں نے اپنے تئیں خدا کی مخلوق ہونے میں شک کیا تھا آج بندر کے مولود ہونے کا اپنی زبانوں سے کیوں اقرار کر رہے ہیں، جن نے بندر کو معبود بنایا گیا شبہ ہے کہ اس نے انسانیت کو رسوا کیا، لیکن جس نے خدا کی مخلوق ہونے سے انکار کر کے بندر کے مولود و مسعود ہونے پر فخر کیا، کتابیں لکھیں، دلائل قائم کئے قائم کر رہے ہیں کیا انسانیت کی خواری میں انہوں نے کوئی کمی کی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس صدی کی

قیمت لگاتے ہوئے یکایک چیخ اٹھتے ہیں کہ انسانیت کی کوئی قیمت نہیں ہے سب انسان کے لئے ہیں، لیکن انسان کسی کے لئے نہیں، کسی مقصد کے لئے نہیں، کیا اس نے انسانیت کو ان عفونتوں اور غلاظتوں سے بدتر نہیں ٹھیرایا، جن سے کسانوں کے کتنے مقاصد وابستہ ہیں، جب انہوں نے کہا کہ انسان اپنے خدا اور خالق کے لئے نہیں ہے تو کیا اس کے بعد یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انسان کسی کے لئے بھی ہے "پانی" کا کیا بگڑے گا۔ اگر آدمی نہ ہوں؟ "ہوا" کیوں رک جائے گی اگر آدمی نہ ہوں؟ آفتاب میں کیا داغ آئے گا۔ اگر آدمی نہ ہوں؟ حتیٰ کہ سڑک کے کسی سنگریزہ اور جنگل کے کسی تنکے کا کیا نقصان ہے اگر کوئی نہ ہو؟ تمہارے بڑے نہ ہوں، چھوٹے نہ ہوں، کوئی نہ ہو، بے شک سب ان کے لئے ہیں، لیکن مخلوقات کے اس طویل و عریض سلسلہ میں انسان کسی کے لئے نہیں، اب اگر وہ خالق کے لئے بھی نہیں ہے تو اس سے زیادہ عبث و بے نتیجہ، فضول، مہمل، بیہودہ ہستی اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اس رسوائی سے بڑی رسوائی، اس ہتک سے بڑی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟

اور یہ تو ایمان کا حال ہے، عمل کے میدان میں ان جاہلوں کے پاس کیا تھا، جو آج کے عالموں کے پاس نہیں ہے۔

عرب کے جہل نے کیا پیدا کیا تھا جو آج کے علم سے نہیں پیدا ہو رہا ہے۔ جاہل شراب پیتے تھے، مردار کھاتے تھے، زنا کرتے تھے، سود خوار تھے، جواری تھے، ایک کا خون دوسرا پیتا تھا، املاق و افلاس کے اندیشہ سے لڑکوں کو، لڑکیوں کو گور میں زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن یہ قصہ کن کا سنایا جا رہا ہے، کیا عرب کے

جاہلوں کا، یا یورپ کے عالموں کا؟ وہاں کیا دکھاتے ہوا جیسے یہاں ہم بھی آنکھوں
سے دیکھ رہے ہیں، عرب سے باہر ایران میں ایک طرف "مزدک" زر، زمین،
زن کو سب سے چھین کر سب کو دے رہا تھا، اور دوسری طرف "مانی"[1]
اور اس کے شاگرد ہاتھوں میں استرے لئے پھرتے تھے کہ جس راہ سے یہ
برائیاں آئی ہیں ان ہی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ وہ انسانوں کو انسانوں
میں آنے سے روکتے تھے یہی ان کا فلسفہ تھا، لیکن یہ تو ایران میں ہو رہا تھا،
آج یورپ کے ایک حصہ میں پھر وہی "مزدک"، زندہ ہوکر "بالشویک" کے
نام سے کیا وہی سب کچھ نہیں کر رہا ہے جو اس نے کیا تھا، اور دوسری طرف
"برتھ کنٹرول" کے نام سے اسی طرح انسانوں کو انسانوں کی سوسائٹی میں
شریک ہونے سے روکا نہیں جا رہا ہے۔
ایک راستوں کو ڈھاتا، اور دوسرا بند کرتا ہے، اس کے سوا اور کیا فرق ہے؟
صحیح ہے کہ ہندوستان میں "بدھ مت" کے فلسفہ نفس کشی نے بڑی گندی
شکلیں اختیار کی تھیں۔ "وام مارگی" پیدا ہوئے تھے، "سانگ" وغیرہ وام مارگی[2]
تک پائے جاتے تھے۔ "اگھوری" ہونا آج بھی "بڑی بات" کی تھی، لیکن آج گندگیوں
میں صفائی کے مدعی بن کر جو لٹ رہے ہیں "اگھوری بن" کو کیا نئے ہو کر ان کا کام

---

[1] کہا جاتا ہے ایران کے فرقہ مانویہ توالد و تناسل کے آلات ہی فنا کرنے کا وعظ کہتا تھا ان کا
خیال تھا کہ یہی دنیا کی ساری شرارتوں کا سرچشمہ ہیں، بس جو برائیوں کو روکنا چاہتا ہے
چاہیے کہ وہ انسان ہی کو پیدا ہونے سے روکے ۱۲ [2] دیا نندجی نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا
ہے کہ اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ سب سے بڑی نیکی ماں کے ساتھ زنا کرنا ہے ۱۲

سنایا جائے۔ بے پردگی و عریانی نے جنسی لذتوں کو جس حد تک بے جان کیا ہے، اس میں جان ڈالنے کے لئے آج مغرب کا ((اگھوری))، جو کچھ کر رہا ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کے سامنے مشرق کا اگھوری بھی شرمندہ ہے، الحاصل جو کچھ اس وقت تھا، جہاں تک سوچوگے تقریباً کسی نہ کسی شکل میں تم اس وقت بھی اس کو پاؤگے۔ پس آنے والا کیسے جا سکتا تھا جب تک کہ وہ سبب نہ جائے جس کے لئے وہ آیا تھا، بلکہ اس کی ضرورت تو اس کے بعد بھی رہے گی کہ یہ تو تخریب ہے، لیکن کیا تعمیر بغیر معمار کے ممکن ہے، اور یہی میرا مقصد تھا جب میں نے کہتے ہوئے سب سے پہلے کہا تھا ((کہ یہی وہ آنے والا ہے جو آنے ہی کے لئے آیا)) پھر جس طرح آج وہ ہم میں موجود ہے، اس کی ضرورت موجود ہے، ان کو دیکھ کر اب بھی کوئی شک کر سکتا ہے کہ آنے کے بعد وہ نہیں گیا، اور جب تک اس کی ضرورت ہے نہیں جائے گا؟ تھا، ہے، رہے گا، ابد تک رہے گا، اور یہ اس کے لئے یہی مقدر ہے۔

فَاللّٰھُمَّ صَلِّ وسلّم وبارِکْ علیٰ سیّدنا محمد عبدکَ ورسولکَ النبی وعلیٰ آلہٖ وازواجہٖ امّھات المؤمنین وعلیٰ ذرّیتہٖ وعلی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات کما صلیتَ وبارکتَ علیٰ سیّدنا ابراھیم وعلیٰ آل سیّدنا ابراھیم فی العٰلمین انّک حمیدٌ مجید ط

پس اے اخوانِ عزیز!

جاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہٖ ط — کوشش کرو اللہ کی طرف بلانے میں ۔

ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم — کوشش کا پورا حق ادا کرتے ہوئے، اسی

فی الدین من حرج ۃ ملۃ
ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم
المسلمین ۃ من قبل و فی
ھذا لیکون الرسول شھیدا
علیکم وتکونوا شھداء
علی الناس ۔ فاقیموا الصلوٰۃ
واٰتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ ط
ھو مولٰکم ج فنعم المولٰی
ونعم النصیر ع ۔

نے (اے امت اسلامیہ) تم کو چن لیا ہے
اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں فرمائی۔
یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے۔
اسی نے تمہارا نام "مسلمین" رکھا، پہلے
بھی اور اس میں بھی (کوشش کرنے کا
نتیجہ یہ ہوگا) کہ رسول تمہارے نگران
رہیں گے، اور تم دنیا کے نگران رہو گے۔
پھر لوگو! نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور
زور سے پکڑ لو اللہ کو، وہی تمہارا آقا ہے، پھر
کتنا اچھا آقا، کتنا اچھا مددگار۔

جب تک جانے کے لئے آنے والے آتے رہے، اشخاص چنے جاتے تھے، لیکن جب وہ آیا جو آنے ہی کے لئے آیا تو اس کے طفیل میں اس کے ساتھ شخص نہیں بلکہ ایک امت ہی چنی گئی پہلے شخص مبعوث ہوتے تھے، اب ایک امت ہی مبعوث ہے۔ یہی اس امت کا اصل "منصب" اور "فرض حقیقی" ہے۔ جب تک وہ اس "منصب" پر قائم رہیں گے، اور انسانوں کی نگرانی کریں گے اس وقت تک ان کے رسول بھی اس امت کے نگران رہیں گے۔ لیکن جب تم اپنے منصب سے ہٹے، اگر رسول کی نگرانی کو نہیں محسوس کرتے ہو تو کیا یہی وعدہ نہیں تھا۔

یہ امت مجتبیٰ و مبعوثہ ہر قوم میں ہے، ہر ملک میں ہے، بس جو جہاں ہے وہ وہیں مبعوث ہے۔ اس کی قوم اسی ملک کے باشندے ہیں، مصیبت کی گھڑی

دی تھی جب اپنی قوم کو ہم نے اپنی قومیت سے نکالا، اسی کے ساتھ ان کا درد بھی دل سے نکلا، حالانکہ اگر حضرت نوحؑ کے منکرین کی قوم تھی، حضرت ہودؑ کے کافران کی قوم تھی، قریش، رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے لوگ تھے، تو کس نے کہا کہ ہندوستان کے ہندو، ہندوستان کے مسلمانوں کی قوم نہیں، مصریوں کی قوم، مصر کے قبط نہیں، یورپ کے عیسائی یورپ میں رہنے والے ترکوں کی قوم نہیں ہیں، پس جب تک:-

حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ

نہ ہو تھک کر بیٹھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، وثیقہ ہے کہ

"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"	اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ سارے دین پر وہ غالب ہو۔

اور دیکھو کہ لامذہبیت پر، مذہبیت غالب ہے، چند ہیئیہ ور کتاب سازوں یا سبق فروش معلموں کو جانے دو، جو وساوس ہانی کی روٹی کھاتے ہیں، عام فطرت انسانی پر مذہب کی گرفت اسی طرح سخت ہے جس طرح ہمیشہ سے تھی، آخر اگر لامذہبیت کا اسی قدر زور ہو گیا ہے، تو جس یورپ کے متعلق یہ سمایا جاتا ہے کیوں نہیں وہاں کے باشندوں نے لامذہب ہونے کا اعلان کیا ہے۔

سچ یہ ہے کہ انسانی دماغ کی جو ذہنی ساخت ہے، اس میں اتنی تنگی یا پستی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ماضی و مستقبل کے انجام کے فیصلہ کے بغیر وہ اپنی زندگی گذارے۔ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جا رہا ہوں؟ کیوں آیا ہوں؟ جس چلنے والے کے سامنے ان سوالات کے جواب نہیں ہیں کیا وہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا ہے۔ بہرحال کم از کم اسوقت تک تو دنیا میں

لامذہبوں سے زیادہ، بہت زیادہ، بہت ہی زیادہ تعداد مذہبی لوگوں کی ہے اور مذاہب میں ہر حیثیت سے جو وزن اسلام کو حاصل ہے کسی کو نہیں ہے، لیکن اس کا منطقی نتیجہ کیا یہی نہیں ہوا کہ لامذہبیت پر مذہب غالب، اور تمام مذاہب پر اسلام غالب، اس لئے سب پر اسلام غالب ہے۔

جب مسلمان اپنی نگرانی دوسروں کے سپرد کر کے رسول علیہ السلام کی نگرانی سے اس وقت محروم ہیں، اس زمانہ میں بھی اسلام کے غلبہ کا یہ حال ہے، تو کیا حال ہوگا جب دنیا کے نگران بن کر پھر رسول کی نگرانی کی سعادت مسلمان حاصل کر لیں گے کچھ نہیں، کوئی کام نہیں، جب تک اصل کام نہ ہوگا کسی کام میں کوئی برکت نہ ہوگی بہت آرام سے چکے، تھکن مٹ چکی، کام بہت باقی ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ چونکنے والے چونکتے اور "درا" کی اس "بانگ" پر چل پڑتے:۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
(اقبال)

المعترف بالاثام
مناظر احسن گیلانی عفر اللہ لہ
حیدرآباد دکن ۱۶ر اپریل ۱۹۳۱ء [illegible]

اسلامی کتابیں

قرآن اور تصوف - ڈاکٹر میر ولی الدین -/۳
تجرید بخاری - عربی اردو -/۱۲
ترجمان السنہ جلد اول و دوم فی جلد -/۱۲
تاریخ اسلام (مکمل) عبدالرحمن "شوق" -/۱۰
تاریخ اسلام امیر علی اردو ۳/۸
" " انگریزی ۱۰/۵
محمد بن عبدالوہاب
مسعود عالم ندوی ۳/۴
پاکستان کا معاشی جائزہ
بین الاقوامی اسلامی کانفرنس ۴/۸
تنقیدی اشعارے - آل احمد سرور ۲/۸
کیمیائے سعادت (اردو) امام غزالی -/۱۰
جہان اقبال - عبدالرحمن طارق ۷/۸
خطبات مدراس - سلیمان ندوی ۲/۸
اسلامی معاشیات مناظر احسن گیلانی ۸/۱۲
سپرٹ آف اسلام - امیر علی ۱۴/۵
عبرت نامہ اندلس - پروفیسر ڈوزی -/۲۰
مترجم مولوی عنایت اللہ
مسلمانوں کا عروج و زوال -/۵

قرآن پاک ترجمہ سلیس مولانا اشرف علی (رضا) -/۱۰
" " " " فتح الحمید (سبز) -/۹
" " " " محمود حسن مع تفسیر ۱۴/۸
" " " لفظی شاہ رفیع الدین -/۱۵
" " " شاہ عبدالقادر -/۱۰
" ترجمہ سلیس عربی انگریزی یوسف علی -/۳۰
" " " " محمد پکتھال ۹/۸
" " " " محمد علی -/۱۵
" ترجمہ سلیس صرف انگریزی جارج سیل ۲/۲
" " " " راڈول ۱۲
" " " " پامر ۱۲
" " " " غلام سرور ۱۰
" " " " محمد علی -/
عربی اردو ڈکشنری - زین العابدین ۸
عربی اردو ڈکشنری ندوۃ المصنفین
عربی سے عربی المنجد -/
عربی سے انگریزی حمادا -/
الیاس عربی انگریزی و انگریزی عربی (جیبی) -/
الیاس " " (سکول) -/
فلسفہ عجم - ڈاکٹر اقبال ۲

ملنے کا پتہ - ایس - ام - میر کمرہ ۳ بی چارٹرڈ بنک چیمبرز روڈ سٹریٹ کراچی نمبر ۱

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

النبی الخاتم

صلی اللہ علیہ وسلم

نوشتہ

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ناشر

ایس ۔ ایم منیر

اسلامی کتب خانہ ۔ بی چارٹرڈ بنک چیمبرز

وڈ اسٹریٹ کراچی نمبر ۲

(چوتھا ایڈیشن سنہ ۱۹۵۰ء)

قیمت مجلد عہ